محسن انسانیت

صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے

(۱) مکی دور

مدوجزر

''بس وہ ایک کلمہ ہے! اسے اگر قبول کر کے میرے ساتھ آؤ تو تم اس کے بل پر سارے عرب کو ہاتھ میں لو گے اور اس کے اثر سے عجم تمہارے زیر نگیں ہوگا''۔

(محسنؐ انسانیت)

وہ نوجوان

آیئے ذرا صورت واقعہ پر غور کیجئے!......اس شاخ گل کی اٹھان دیکھئے جس کی توضیح کانٹوں سے کی گئی!

عرب کے ایک ممتاز، مہذب اور اعلیٰ روایات رکھنے والے خاندان میں سلیم الفطرت والدین کے قرآن السعدین سے ایک انوکھا سا بچہ یتیمی کے سائے میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک غریب مگر شریف ذات کی دایہ کا دودھ پی کر دیہات کے صحت بخش ماحول کے اندر فطرت کی گود میں پلتا ہے۔ وہ خاص الہیٰ انتظام سے صحرا میں تگ و دو کرتے کرتے زندگی کی جولان گاہ میں مشقتوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتا ہے اور بکریاں چرا کر گلہ بانی اقوام کی تربیت پاتا ہے۔ بچپن کی پوری مسافت طے کرنے سے پہلے یہ انوکھا بچہ ماں کے سایہ شفقت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ دادا کی

ذات کسی حد تک والدین کے اس خلاء کو پر کرنے والی تھی لیکن یہ سہارا بھی چھین لیا جاتا ہے۔ بالآخر چچا کفیل بنتے ہیں۔ یہ گویا مادی سہاروں سے بے نیاز ہو کر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری ہو رہی ہے۔

جوانی کے دائرے میں قدم رکھنے تک یہ انوکھا بچہ عام بچوں کی طرح کھلنڈرا اور شریر بن کر سامنے نہیں آتا بلکہ بوڑھوں کی سی سنجیدگی سے آراستہ نظر آتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو انتہائی فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود اپنی جوانی کو بے داغ رکھتا ہے۔ عشق اور نظر بازی اور بدکاری جہاں نوجوانوں کے لئے سرمایہ افتخار بنے ہوئے ہوں وہاں وہ اپنے دامان نظر تک کو ایک آن بھی میلا نہیں ہونے دیتا۔ جہاں گلی گلی شراب کشید کرنے کی بھٹیاں لگی ہوں اور گھر گھر

شراب خانے کھلے ہوں اور جہاں مجلس مجلس ذخت زر کے
قدموں میں ایمان و اخلاق نچھاور کئے جاتے ہوں، اور پھر
جہاں اپنی بلا نوشیوں کے چرچے فخر یہ قصدوں اور شعروں
میں کئے جاتے ہوں وہاں یہ جد اگانہ فطرت کا نوجوان کبھی
قسم کھانے کو بھی شراب کا ایک قطرہ تک اپنی زبان پر نہیں
رکھتا۔ جہاں قمار قومی مشغلہ بنا چلا آرہا تھا وہاں ایک یہ مجسمہ
پاکیزگی تھا کہ جس نے کبھی مہروں کو ہاتھ سے نہیں چھوا
جہاں داستان گوئی اور موسیقی کلچر کا لازمہ بنے ہوئے تھے
وہاں کسی اور ہی عالم کا یہ نوجوان لہو ولعب سے بالکل الگ
تھلگ رہا..... اور دو مرتبہ ایسے مواقع پیدا ہوئے بھی کہ یہ
نوجوان ایسی مجالس تفریح میں جا پہنچا لیکن جاتے ہی ایسی
نیند طاری ہوئی خانوادۂ براہیمی کے اس پاکیزہ مزاج
نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی اپنا سر جھکایا۔ نہ

اعتقاداً کوئی مشرکانہ تصور اپنے اندر جذب کیا بلکہ ایک مرتبہ

بتوں کے چڑھاوے کا جانور پکار کر لایا گیا تو اس نے وہ

کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ جہاں قریش نے زمانۂ حج

میں اپنے آپ کو عرفات جانے سے مستثنیٰ کر لیا تھا وہاں اس

ممتاز مرتبے کے قریشی نے کبھی من گھڑت استثنیٰ سے فائدہ

نہ اٹھایا۔ جہاں اولادِ ابراہیمؑ نے مسلکِ ابراہیمی کو بگاڑ کر

دوسری خرابیوں کے ساتھ کعبہ کا طواف حالتِ عریانی میں

کرنے کی ایک گندی بدعت پیدا کر لی تھی وہاں اس حیادار

نوجوان نے کبھی اس بدعت کو اختیار نہ کیا جہاں جنگ ایک

کھیل تھی اور انسان خون بہانا ایک تماشا تھا، وہاں احترامِ

انسانیت کا علمبردار یہ نوجوان ایسا تھا کہ جس کے دامن پر

خون کی ایک چھینٹ نہ پڑی تھی ...... نوعمری میں اس

نوجوان کو حربِ فجار نامی جنگِ عظیم میں شرکت کا موقع پیش

آیا اور اگرچہ اس نے قریش کے برحق ہونے کی بناء پر اس میں حصہ لیا تھا لیکن پھر بھی کسی انسانی جان پر خود ہاتھ نہیں اٹھایا۔

پھر اس پاکباز و عفیف نوجوان کی دلچسپیاں دیکھئے کہ عین بہک جانے والی عمر میں وہ اپنی خدمات اپنے ہم خیال نوجوانوں کی ایک اصلاح پسند انجمن کے حوالے کرتا ہے جو حلف الفضول کے نام سے غریبوں اور مظلوموں کی مدد اور ظالموں کے چیرہ دستیوں کے استیصال کے لے قائم ہوئی تھی۔ اس کے شرکاء نے اس مقصد کے لئے حلفیہ عہد باندھا تھا!

آپؐ دور نبوت میں اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

''اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اس سے نہ پھرتا اور آج بھی ایسے معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں''۔

پھر اس نوجوان کی صفات اور صلاحیتوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر حجر اسود نصب کرنے کے معاملے میں قریش میں کشمکش پیدا ہوتی ہے اور تلواریں میانوں سے نکل آتی ہیں لیکن تقدیر کے اشارے سے اس قضیے کو چکانے کا شرف اسی نوجوان کے حصے میں آتا ہے۔ انتہائی جذباتی تناؤ کی اس فضاء میں یہ جج اور صلح کا علمبردار ایک چادر بچھاتا ہے اور اس پر پتھر اٹھا کر رکھ دیتا ہے اور پھر دعوت دیتا ہے کہ تمام قبیلوں کے لوگ مل کر اس شاہ در کو اٹھائیں۔ چادر پتھر سمیت متحرک ہو جاتی ہے اور جب موقع پر جا پہنچتی ہے تو وہ نوجوان اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر

نصب کر دیتا ہے۔ جھگڑے کا سارا غبار چھٹ جاتا ہے اور چہرے خوشی اور اطمینان سے چمک اٹھتے ہیں۔

یہ نوجوان میدان معاش میں قدم رکھتا ہے تو تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ کوئی بات تو اس نوجوان میں تھی کہ اچھے اچھے اہل سرمایہ نے یہ پسند کیا کہ یہ نوجوان ان کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے اور کاروبار کرے۔ پھر سائب، قیس بن سائب مخزومی، حضرت خدیجہ اور جن دوسرے لوگوں کو اس نوجوان کے حسن معاملت کا عملی تجربہ ہوا ان سب نے اسے "تاجرامین" کا لقب دیا۔ عبداللہ بن ابی الحماء کی گواہی آج بھی محفوظ ہے کہ بعثت سے قبل خرید وفروخت کے معاملے میں اس تاجرامین سے طئے ہوا کہ آپ ٹھہریں میں ابھی پھر آؤں گا لیکن بات آئی گئی ہوگئی۔ تیسرے روز اتفاقاً عبداللہ کا گزر اسی مقام

سے ہوا تو دیکھا کہ وہ تاجر امین وعدہ کی ڈوری سے بندھا اسی جگہ کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ "تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں" ۔ (ابوداؤد)

پھر دیکھئے کہ یہ نوجوان رفیقہ حیات کا جب انتخاب کرتا ہے تو مکہ کی نوعمر، شوخ و شنگ لڑکیوں کو ایک ذرا سا خراج نگاہ تک دیئے بغیر ایک ایسی خاتون سے رشتہ مناکحت استوار کرتا ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خاندان اور ذاتی سیرت و کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون ہے۔ اس کا یہ ذوق انتخاب، اس کے ذہن، اس کی روح، اس کے مماج اور اس کی سیرت کی گہرائیوں کو پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ پیغام خود ہی خاتون ...... حضرت خدیجہؓ بھیجتی ہیں جو اس یکتا نے روزگار نوجوان کے کردار سے متاثر ہوئی ہیں اور یہ نوجوان اس پیغام کو شرح

صدر کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

پھر کسی شخص کے ذہن و سیرت کو اگر اس کے حلقہ احباب کا جائزہ لینے سے جانچا جا سکتا ہے تو آیئے دیکھئے کہ اس عربی نوجوان کے دوست کیسے لوگ تھے۔ غالباً سب سے گہری دوستی اور سب سے بے تکلفانہ رابطہ حضرت ابوبکرؓ سے تھا۔ ایک تو ہم عمری، اوپر سے ہم مذاقی! اس نوجوان کے دوستوں میں ایک شخصیت حکیم بن حزام کی تھی جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے اور حرم کے منصب رفادہ پر فائز تھے۔ (ہجرت کے آٹھویں برس تک یہ ایمان نہیں لائے لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت رکھتے تھے، اور اسی محبت کے تحت ایک مرتبہ پچاس اشرفیوں کا ایک قیمتی حلہ خرید کر مدینہ میں پیش کیا۔ مگر حضور نے باصرار قیمت ادا کر دی)۔ پھر حلقہ احباب کے ایک

رکن ضماد بن ثعلبہ ازدی تھے جو طبابت و جراحی کا کام کرتے
تھے۔ اس نوجوان کے حلقہ احباب میں کیا کوئی ایک بھی
دون فطرت، پست ذوق اور کمینہ مزاج آدمی دکھائی دیتا
ہے؟ مکہ کے اشرار میں سے کسی کا نام اس فہرست میں ملتا
ہے؟ ظالموں اور فاسقوں میں سے کوئی اس دائرے میں
سامنے آتا ہے؟

پھر دیکھئے کہ یہ یکتائے زمانہ نوجوان گھر بار کی دیکھ
بھال، تجارت اور دنیوی معاملات کی گوناگوں مصروفیات
سے فارغ ہو کر جب کبھی کوئی فرصت کا وقت نکالتا ہے تو
اسے تفریحات و تعیشات میں صرف نہیں کرتا، اسے کوچہ
گردی میں اور مجلس آرائیوں اور گپوں میں نہیں کھپاتا "۔
اسے سو سو کر اور غفلت میں بے کار پڑے رہ رہ کر بھی نہیں
گزارتا بلکہ سارے ہنگاموں سے کنارہ کر کے اور سارے

مشغلوں کو ترک کر کے حرا کی خلوتوں میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کا تذکرہ اپنی فطرت مطہرہ کی رہنمائی کے مطابق کرتا ہے۔ کائنات کی گہری حقیقتوں کو اخذ کرنے کے لئے اور انسانی زندگی کے غیبی رازوں کو پالینے کے لئے عالم انفس و آفاق میں غور و فکر کرتا ہے اور اپنی قوم اور اپنے ابنائے نوع کو اخلاقی پستیوں سے نکال کر مرتبۂ ملکوتی پر لانے کی تدبیریں سوچتا ہے جس نوجوان کی جوانی کی فرصتیں اس تحقیق میں صرف ہو رہی ہوں کیا اس کی فطرت کے بارے میں انسانی بصیرت کوئی رائے قائم نہیں کر سکتی؟

ہونے والا آخری نبیؐ اس نقشۂ زندگی کے ساتھ قریش کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے اپنے ہی ملکی معاشرے کی گود میں پلتا ہے جوان ہوتا ہے اور پختگی کے مرتبے کو پہنچتا ہے۔ کیا یہ نقشۂ زندگی بول بول کر نہیں بتا رہا

تھا کہ یہ ایک نہایت ہی غیر معمولی عظمت رکھنے والا انسان ہے؟ کیا اس اٹھان اٹھنے والی شخصیت اور فریبی آدمی کا نقشہ ہوگا؟ یہ کوئی مرد جاہ وطلب ہوگا؟ یہ کوئی بندۂ مفاد و اغراض ہوگا؟ یہ خدا کے نام کو متاع کاروبار بنا کر اپنی دوکان چمکانے والا کوئی سوداگر ہوگا؟ ہرگز نہیں! ..... ہرگز نہیں! خود قریش نے اسے صادق وامین، دانا وحکیم اور پاک نفس وبلند کردار تسلیم کیا اور بار بار تسلیم کیا! اس کے دشمنوں نے اس کی ذہنی و اخلاقی عظمت کی گواہی دی اور سخت ترین کشمکش کرتے ہوئے دی! داعیٔ برحق کے نقشۂ زندگی کو خود قرآن نے دلیل بنا کے پیش کیا فقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون (یونس ۱۶)۔ط

لیکن اپنی قوم کا یہ چہکتا ہوا ہیرا جب نبوت کے منصب سے کلمہ حق پکارتا ہے تو زمانہ کی آنکھوں کا رنگ

معاً بدل جاتا ہے اور اس کی صداقت و دیانت اور اس کی شرافت و نجابت کی قدر و قیمت بازارِ وقت میں یکایک گرا دی جاتی ہے۔ کل تک جو شخص قوم کا مایۂ ناز فرزند تھا، آج وہ اس کا دشمن اور مخالف اور اس کے لئے باعث ننگ گردانا جاتا ہے۔ کل تک جس کا احترام بچہ بچہ کرتا تھا، آج وہ ایک ایک قدردان کی نگاہوں میں مبغوض ٹھہرتا ہے۔ وہ شخص جس نے چالیس سال اپنے آپ کو ساری کسوٹیوں پر کھرا ثابت کر کے دکھایا تھا توحید اور نیکی اور سچائی کا پیغام سناتے ہی صیرفیانِ قریش کی نگاہوں میں کھوٹا سکہ بن جاتا ہے۔ کھوٹا وہ نہ تھا بلکہ صرافوں کی اپنی نگاہوں میں ٹیڑھ تھی اور ان کے اپنے معیار غلط تھے!

کیا قریش کی آنکھیں واقعی اتنی اندھی تھیں کہ وہ ماحول کی تاریکیوں میں جگمگاتے ہوئے ایک چاند کی شان نہیں دیکھ سکتی تھیں؟ کیا بالشتیوں کی محفل میں وہ اونچے

اخلاقی قد و قامت رکھنے والے ایک زعیم کو نہیں پہچان سکتی تھیں؟ کیا کوڑے کے انبار میں پڑا ہوا موتیوں کا ایک ہار ان کو الگ محسوس نہیں ہوتا ہوگا۔ کیا خار و خس کے ہجوم میں ایک گلدستۂ شرافت و عظمت ان سے اپنی قدر و قیمت نہیں منوا سکا ہوگا؟...... نہیں نہیں! قریش خوب پہچانتے تھے کہ محمدؐ کیا ہے، مگر انہوں نے جان بوجھ کر آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی! مفاد اور تعصبات نے ان کو مجبور کیا کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے بن جائیں۔ ولهم اعين لا يبصرون بها !......

اور جب کوئی آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا بن جاتا ہے تو اس سے بڑی بڑی مصیبتیں اور تباہیاں رونما ہوتی ہیں

قریش کے وجوہِ مخالفت

اگر آج کسی طرح ہم مشرکینِ مکہ سے بات کر سکتے تو ان سے پوچھتے کہ تمہارے خاندان کے اس چشم و چراغ

نے جو دعوت دی تھی وہ فی نفسہ کیا برائی کی دعوت تھی؟ کیا اس نے تم کو چوری اور ڈاکے کے لئے بلایا تھا؟ کیا اس نے تمہیں ظلم اور قتل کے لئے پکارا تھا؟ کیا اس نے یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر جفائیں ڈھانے کی کوئی اسکیم پیش کی تھی؟ کیا اس نے تم کو باہم دگر لڑانے اور قبیلے قبیلے میں فساد ڈلوانے کی تحریک چلائی تھی؟ کیا اس نے مال سمیٹنے اور جائیداد بنانے کے لئے ایک جماعت کھڑی کی تھی؟ آخر تم نے اس کے پیغام میں کیا کجی دیکھی؟ اس کے پروگرام میں کون سا فساد محسوس کیا؟ کیوں تم پرے باندھ کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے؟

قریش کو جس چیز نے جاہلیت کے فاسد نظام کے تحفظ اور تبدیلی کی رو کی مزاحمت پر اندھے جنون کے ساتھ اٹھا کھڑا کیا وہ یہ ہرگز نہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فکرو

کردار میں کوئی رخنہ تھا، یا آپ کی دعوت میں کوئی خطرناک مفسدہ تھا۔ یا آپ کی تحریک جاہلی تمدن کو پستی کی طرف لے جانے کا موجب بنتی دکھائی دیتی تھی بلکہ وہ چیز صرف مفاد پرستی تھی! قریش سالہا سال کے جمے ہوئے عربی معاشرے کے سانچے میں اپنے لئے ایک اونچا مقام قیادت حاصل کر چکے تھے۔ تمام سیاسی اور مذہبی مناصب ان کے ہاتھ میں تھے۔ اقتصادی اور کاروباری لحاظ سے ان کی سیادت کا سکہ رواں تھا۔ پوری قوم کی چودھراہٹ انہیں حاصل تھی۔ ان کی یہ چودھراہٹ اسی مذہبی وتمدنی ومعاشرتی سانچے میں چل سکتی تھی جو جاہلی دور میں استوار تھا اگر وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر مجبور تھے کہ اپنی چودھراہٹ کا تحفظ کریں تو پھر وہ اس پر بھی مجبور تھے کہ جاہلی نظام کو بھی ہر حملے اور ہر تزلزل سے بچائیں۔

قریش جہاں سیاسی و معاشرتی لحاظ سے چودھری
تھے وہاں وہ عرب کے مشرکانہ مذہب کے پروہت مذہبی
استھانوں کے مہنت اور مجاور اور تمام مذہبی امور کے ٹھیکیدار
بھی تھے۔ یہ مذہبی ٹھیکیداری سیاسی و معاشرتی چودھراہٹ کی
بھی پشتیبان تھی اور بجائے خود ایک بڑا کاروبار بھی تھی۔ اس
کے ذریعہ سارے عرب سے نذریں اور نیازیں اور
چڑھاوے کھنچے چلے آتے تھے، اس کی وجہ سے ان کی دامن
بوسیاں ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کے قدموں کو چھوا
جاتا تھا۔ مذہب جب ایک طبقے کا کاروبار بن جاتا ہے تو
اس کی اصل روح اور مقصدیت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا
ہے اور گوناگوں رسمیات کا ایک نمائشی طلسم قائم ہو جاتا
ہے۔ اصولی تقاضے فراموش ہو جاتے ہیں اور من گھڑت
روایات اور شعائر بنیادی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ خدا کا

دیا ہوا علم و قانون گم ہو جاتا ہے اور مذہبی کاروباریوں کی اپنی بنائی ہوئی ایک شریعت آہستہ آہستہ نشوونما پا جاتی ہے۔ معقولیت ختم ہو جاتی ہے۔ اندھی عقیدتیں اور فضول اوہام ہر طرف چھا جاتے ہیں۔ استدلال غائب ہو جاتا ہے اور جذباتی ہیجانات عقل کا گلا گھونٹ لیتے ہیں۔ مذہب کا عوامی و جمہوری مزاج کافور ہو جاتا ہے اور ٹھیکہ دار طبقے کا تحکم معاشرہ کے سینے پر سوار ہو جاتا ہے۔ حقیقی علم مٹ جاتا ہے، ہوائی باتیں مقبول عام ہو جاتی ہیں۔ اعتقاد و احکام کی سادگی ہوا ہو جاتی ہے۔ بات بات میں بڑے اینچ پینچ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اختلاف رائے کا حق قطعی طور پر سلب کر لیا جاتا ہے اور ایک طبقے کی اتھارٹی بے روک ٹوک نافذ ہو جاتی ہے۔ حق اور نیکی اور شرافت اور تقویٰ کا نام و نشان مٹ جاتا ہے اور مذہبیت ایک فریب کارانہ بہروپ کی صورت اختیار کر لیتی

ہے۔ جب کبھی مذاہب میں بگاڑ پیدا ہوا ہے تو ہمیشہ وہ اسی نہج پر ہوا ہے۔ جاہلی عرب میں یہ بگاڑ بالکل اپنی انتہائی شکل پر پہنچا ہوا تھا۔ اسی بگاڑ پر قریش کی مہنت گری اور مجاوری کی ساری گدیاں قائم تھیں۔ یہ زرخیز گدیاں اپنی بقاء کے لئے اس بات کی محتاج تھیں کہ فاسد مذہبیت کے ڈھانچے کو جوں کا توں قائم رکھا جائے اور اس کے خلاف نہ کوئی صدائے احتجاج و اختلاف اٹھنے دی جائے اور نہ کسی دعوت تغیر و اصلاح کو برپا ہونے دیا جائے۔ پس قریش اگر دعوت محمدیؐ جیسی خطرناک رو کے خلاف تلملا کر نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو اور کیا کرتے۔!

اور پھر حال یہ تھا کہ قریش کا کلچر نہایت فاسقانہ کلچر تھا۔ شراب اور بدکاری جوا اور سودخواری عورتوں کی تحقیر و تذلیل اور بیٹیوں کا زندہ دفن کرنا، آزادوں کو غلام بنانا اور

کمزوروں پر ظلم ڈھانا، یہ سب اس کلچر کے لوازم تھے۔ یہ کلچر قرنوں کی راسخ شدہ عادات بد اور فخر آمیز قومی روایات بن جانے والی رسوم قبیحہ سے ترکیب پایا ہوا تھا۔ قریش کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے اس آہنی تہذیبی قفس کو توڑ کر ایک نئی فضاء میں پرواز کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ انہیں فوراً محسوس ہو گیا کہ دعوت محمدیؐ ان کی عادات، ان کی خواہشات ان کے فنون لطیفہ اور انکے محبوب کلچر کی دشمن ہے۔ چنانچہ وہ جذباتی ہیجان کے ساتھ اس کی دشمنی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

درحقیقت یہی وجوہ و اسباب ہمیشہ دعوت حق کے خلاف کسی بگڑے ہوئے سماج کے ارکان اقتدار اور مذہبی ٹھیکیداروں اور خواہش پرستوں کو متحدہ محاذ بنا کر اٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

تاریک ماحول میں چند شرارے

بعثت نبویؐ سے قبل ذہین لوگوں میں اس مذہب، اس معاشرے اور اس ماحول کے بارے میں نوامیس الٰہی کے تحت اضطراب پیدا ہو چکا تھا اور فطرت انسانی اس کے خلاف جذبۂ احساس کے ساتھ انگڑائی لے رہی تھی۔ ابھی اوپر جن حساس افراد کا ہم ذکر کر چکے ہیں ان کی روحوں کے سازسے تبدیلی کا دھیما دھیما نغمہ بلند ہونے لگا تھا۔

قریش اپنے ایک بت کے گرد جمع ہو کر تقریب عید منا رہے تھے۔ اس خداوند سنگین اور رنگین اس عالم میں چار آدمی یعنی ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل اس ہنگامہ لایعنی سے بیزار الگ تھلگ بیٹھے ایک خفیہ میٹنگ کر رہے تھے باہم دگر رازداری کا پیمان باندھنے کے بعد گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں کے

خیالات یہ تھے کہ ہماری قوم ایک بے بنیاد مسلک پر چل رہی ہے۔ اپنے دادا ابراہیمؑ کے دین کو انہوں نے گنوا دیا ہے، یہ جس مجسمہ سنگین کا طواف کیا جا رہا ہے، یہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع دے سکتا ہے۔ ساتھیو! اپنے دلوں کو ٹٹولو تو خدا کی قسم تم محسوس کرو گے کہ تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے، ملک ملک گھومو اور کھوج لگاؤ دین ابراہیمؑ کے سچے پیروؤں کا''۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ا، ص ۲۲۲)۔ بعد میں ان میں سے ورقہ بن نوفل عیسائی ہو گیا۔ عبداللہ بن جحش عالم اضطراب میں پہلے اسلام لایا۔ پھر اسی اضطراب میں عیسائی ہوا۔ عثمان نے قیصر روم کے ہاں جا کر عیسائیت اختیار کر لی اور زید نے نہ یہودیت قبول کی نہ نصرانیت، لیکن اپنی قوم کا دین ترک کر دیا۔ بت پرستی چھوڑ دی، مردار اور خون اور استھانوں کے ذبیحوں سے پرہیز شروع کر دیا۔

بیٹوں کے قتل سے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کرتا رہا اور کہا کرتا کہ "اعبد رب ابراہیم" میں تو ابراہیم کے رب کا پرستار ہوں۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۲۲۴)۔ اسما بنت ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے بوڑھے سردار سعید بن عمرو کو کعبے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور وہ کہہ رہا تھا۔ اے قریش کے لوگو! قسم اس ذات جس کے قبضے میں زید بن عمرو کی جان ہے، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی ابراہیم کے دین پر قائم نہیں رہا۔ پھر کہنے لگا اے خدا! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سے طریقے پسند ہیں تو میں انہی طریقوں سے تیری عبادت کرتا لیکن میں یہ نہیں جانتا پھر ہتھیلیاں ٹیک کر سجدہ کرتا۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۲۴) اپنے ملنے والوں کے سامنے وہ اکثر الاپتا۔

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور

"رب ایک ہونا چاہیے، یا سینکڑوں رب بنا لئے جائیں؟
میں اس مذہب پر کیسے چلوں جبکہ مسائل حیات کئی معبودوں
میں بانٹ دیئے گئے ہوں۔

عزلت اللات والعزی جمیعا
کذلک یفعل الجلد الصبور

میں نے لات وعزیٰ کو ترک کر دیا ہے اور مضبوط اور صبر کیش
شخصیتیں ایسا ہی کرتی ہیں۔

ولکن اعبد الرحمن ربی یغفر ذنبی الرب
الغفور

مگر ہاں، اب میں اپنے رب رحمٰن کا عبادت گزار رہوں تا کہ
وہ بخشش فرمانے والا آقا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

فتقوی الله ربکم احفظوها متی ما تحفظوها لا تبوروا

سو تم اللہ ہی کے تقویٰ کی حفاظت کرو جب تک اس صفت کو قائم رکھو گے کبھی گھاٹے میں نہ پڑو گے۔

بیچارے زید کی بیوی صفیہ بنت الحضرمی ہمیشہ اس کے پیچھے پڑی رہتی۔ بسا اوقات وہ خالص ابراہیمی دین کی جستجو کے لئے مکہ سے نکل کھڑے ہونے کا ارادہ کرتا لیکن اس کی جورو خطاب بن نفیل کو آگاہ کر دیتی ہے اور وہ اسے دین آبائی کے چھوڑنے پر سخت سست کہتا۔ زید کی والہیت کا عالم یہ تھا کہ سجدہ گاہ کعبہ میں داخل ہوتا تو پکار اٹھتا۔ "لبیک حقا حقا، تعبدا ورقا"۔ یعنی اے خداوند برحق! میں تیرے حضور اخلاص مندانہ، عبادت گزارانہ اور غلامانہ انداز سے حاضر ہوں۔ پھر کہتا۔ میں کعبہ کی طرف منھ کر کے اسی ذات کی پناہ طلب کرتا ہوں جس کی پناہ ابراہیم علیہ السلام نے ڈھونڈی تھی۔ (سیرت ابن ہشام۔

ج ا، ص ۲۲۸)

خطاب بن نفیل زید کے درپے آزار رہا۔ یہاں تک کہ مکہ کی بالائی جانب شہر بدر کردیا اور زید نے مکہ کے سامنے حرا کے پاس جا دھونی رمائی۔ پھر خطاب نے قریش کے چند نوجوانوں اور کچھ کمینہ خصلت افراد کو اس کی نگرانی پر مامور کردیا اور ان کو تاکید کی کہ خبردار اسے مکہ میں داخل نہ ہونے دو۔ چنانچہ زید اگر کبھی آیا تو چھپ چھپ کر اور اس پر بھی اگر پتہ چل جاتا تو خطاب اور اس کے رضاکار اسے کھدیڑ دیتے اور اسے دین کو بگاڑ دینے کا مجرم جانتے ہوئے نہایت نفرت کے ساتھ دکھ دیتے۔ چنانچہ تنگ آکر اس نے وطن چھوڑا اور موصل، الجزیرہ اور شام وغیرہ میں بے آمیز ابراہیمی دین کی جستجو میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخرکار وہ دمشق کے علاقہ بلقاء میں ایک صاحب علم راہب سے

پاس پہنچا اور اس سے گم گشتہ مسلک ابراہیمیؑ کا سراغ پوچھا۔ راہب نے کہا کہ "آج تجھے اس مسلک پر چلنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ ملے گا۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا وقت آپہنچا ہے جو اسی جگہ سے اٹھے گا جہاں سے نکل کر تو آیا ہے۔ وہ دین ابراہیمی کا علمبردار بن کر اٹھے گا، جا کر اس سے مل، ان دنوں اس کی بعثت ہو چکی ہے"۔ زید نے یہودیت و نصرانیت کو خوب دیکھ بھال لیا اور ان کی کوئی چیز اس کے دل کو نہ لگی۔ وہ راہب کی ہدایت کے مطابق مکہ کی طرف لپکا۔ بلادِ لخم میں لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے بڑے دردناک اشعار لاتے ہوئے اظہارِ درد کیا:

فاصبحت فی دار کریم مقامھا

تعلل فیھا بالکرامۃ لاھیا

تلاقی خلیل اللہ فیھا ولم تکن

من الناس جبار الی النار ھاویا

وقد تدرک الانسان رحمۃ ربہ

ولو کان تحت الارض سبعین وادیا

(ابن ابی صلت)

اس کے بیٹے سعید اور حضرت عمر بن الخطاب نے زمانۂ اسلام میں آنحضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا ہم زید کے لیے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں؟ آنحضورؐ نے فرمایا ''ہاں! فانہ یبعث امۃ وحدہ۔'' (اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ایک مستقل جداگانہ امت کی حیثیت سے کھڑا کرے گا) مدعا یہ کہ ایک شخص کو جہاں تک اس کی فطرتِ سلیم سے رہنمائی مل سکتی تھی اس نے شرح صدر کے ساتھ اسے قبول

کیا اور پھر وہ ہدایتِ وحی کی طلب میں مارا مارا پھرا اور بالآخر
سرچشمۂ رسالت کی طرف دوڑا چلا جا رہا تھا کہ اسی راہِ جستجو
میں شہید ہوا۔ (قس بن ساعدہ کا قصہ بھی کتبِ تاریخ و
ادب میں اسی طرح کا مندرج ہے لیکن جو اشعار اور خطبۂ
عکاظ اس کے نام سے منسوب ہے اسے علامہ شبلی موضوع
قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی از شبلی نعمانی ج ا
ص ۱۸۳۔۱۸۰)

اس طویل بیان سے یہ حقیقت سامنے لانا مقصود
ہے کہ تاریخ ایک موڑ مڑنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔
روحِ معاشرہ ایک نئی کروٹ لینا چاہتی تھی۔ انسانی ضمیر ایک
شدید اضطراب سے دوچار تھا مگر فطرت کی دھندلی رہنمائی
کے سوا کوئی روشنی موجود نہ تھی۔ اوپر سے فاسد مذہبیت اور
اندھی رسمیت کا ماحول ایک آہنی خول کی طرح سے انسانی

خودی کو بھینچے ہوئے تھا۔ جمود نے زندگی کے سمندر پر یخ کی ایک موٹی تہ مسلط کر دی تھی کہ جس کو توڑ کر کسی موج کے لیے اوپر آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ حساس افراد یا تو مسلکِ نصرانیت کی منزل پر رُک گئے جس کے لیے ماحول میں گنجائش تھی، یا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس کے خلاف جہاد کا آغاز کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ متذکرہ بالا چار افراد میں بغاوت کی ایک لہر اٹھی تھی، ان میں سے صرف ایک زید نے اتنا کس بل دکھایا کہ حرم میں بیٹھ کر خدائے واحد کو پکارا اور قریش کے سامنے بت پرستی سے تبری کیا لیکن زید بھی ایک اظہارِ اضطرات اور ایک اعلانِ احتجاج سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کیونکہ اس کے سامنے کوئی واضح اور مثبت اور مکمل نظریہ و مسلک نہ تھا جسے وہ بنائے دعوت و تحریک بنا سکتا۔ پھر بھی مکہ نے اس کے وجود کو برداشت

کرنے سے انکار کر دیا۔

شعراء کو جاہلی معاشرہ میں ممتاز مقام حاصل تھا اور یہ لوگ ذہنی قیادت کے منصب پر بھی فائز تھے اور ان کے فن پارے وقت کے ذہن اور فکری فضا کے آئینہ دار بھی تھے۔ سماج کے ضمیر کا اضطراب جو لہریں اٹھا رہا تھا وہ حضورؐ سے قبل کے متصل دور کی جاہلی شاعری میں نمایاں ہیں۔ ان لہروں میں انسانی فطرت بسا اوقات بنیادی صداقتوں کو پکار اٹھتی تھی۔

ان میں ایک نمایاں شخصیت امیہ بن ابی الصلت کی تھی جو سرداران طائف میں سے تھا۔ اس شاعر نے توحید اور حشر اور جزا و سزا کے بارے میں اچھے خیالات پیش کیے ہیں۔ نیز اخلاقی حکمت و نصیحت کی باتیں نظم کی ہیں۔ یہ شاعر بھی صنم پرستانہ جاہلی طرز فکر کا باغی تھا مگر حضورؐ کی دعوت

سے یہ حصہ نہ پا سکا۔ اس کے اشعار کو حضورؐ پسند کرتے تھے اور فرماتے کہ وہ اسلام لاتے لاتے رہ گیا۔

اس طرح کے حساس افراد کے ذہنی مدوجزر کو دیکھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ماحول میں ایک زندگی بخش پیغام کے لیے مضطرب ہو رہا تھا۔

تاریخ جس انقلابی قوت کو مانگ رہی تھی وہ اپنے ٹھیک تمدنی موسم نمو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی صورت میں کونپل نکالتی ہے۔ آپ ایک منفی صدائے احتجاج بن کر اور اپنے انفرادی ذہن و کردار کی فکر لے کر نمودار نہیں ہوئے بلکہ ایک جامع مثبت نظریہ و مسلک کے ساتھ ساری قوم اور سارے ماحول کی اجتماعی تبدیلی کے لیے میدان میں اترے۔ اس جرم کو بھلا کیسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا جا سکتا تھا۔

دعوت کا پہلا خفیہ دور

مقدمۂ دورِ نبوت کے طور پر اپنے زمانہ تحنث میں آنحضورؐ رویائے صادقہ سے نوازے گئے۔ کبھی غیبی آوازیں سنائی دیتیں، کبھی فرشتہ دکھائی دیتا یہاں تک کہ عرشِ الٰہی سے پہلا پیغام آ پہنچا۔ جبرئیل آتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ "اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ الخ" وحی کے اولین تجربہ میں ہیبت و جلال کا بہت سخت بوجھ آپؐ نے محسوس کیا۔ گھر آ کر اپنی رفیقہ و رازداں سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ کا خدا آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا بلکہ مزید یہ کہا کہ یقیناً لوگ آپؐ کی تکذیب کریں گے، آپ کو تنگ کریں گے، آپ کو وطن سے نکالیں گے اور آپؐ سے لڑیں گے، اگر میں اس وقت

تک زندہ رہا تو میں خدا کے کام میں آپ کی حمایت کروں گا۔ اب گویا آپ خدا کی طرف سے دعوتِ حق پر باقاعدہ مامور ہو گئے۔ اور آپ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی۔ یہ دعوت سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی کے سامنے آئی اور وہی اس پر ایمان لانے والوں میں سے پہلی ہستی قرار پائیں۔ پھر یہ کام خفیہ طور پر دھیمی دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔ آپ کے بچپن کے ساتھی اور پوری طرح ہم مذاق و ہم مزاج حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ ان کے سامنے جب پیغامِ حق آیا تو انہوں نے کسی تامل و توقف کے بغیر اس طرح لبیک کہی جیسے پہلے سے روح اسی چیز کی پیاسی تھی۔ علاوہ بریں زید رفیقِ مسلک بنے جو آپ کے پروردہ غلام تھے اور آپ کی زندگی اور کردار سے متاثر تھے۔

آپ پر قریب ترین لوگوں کا ایمان لانا آپ کے

اخلاص اور آپ ؐ کی صداقت کا بجائے خود ایک ثبوت ہے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جو کئی برس سے آپ ؐ کی پرائیویٹ اور پبلک لائف سے اور آپ ؐ کے ظاہر و باطن سے پوری طرح واقف تھیں، ان سے بڑھ کر آپ ؐ کی زندگی اور کردار آپ ؐ کے ذہن و فکر کو جاننے والا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ ان قریب ترین ہستیوں نے بالکل آغاز میں آپ ؐ کے بلاوے پر لبیک کہہ کر گویا ایک شہادت بہم پہنچا دی، دعوت کی صداقت اور داعی کے اخلاص کی!

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے تحریک محمدی ؐ کا سپاہی بنتے ہی اپنے حلقہ اثر میں زور و شور سے کام شروع کر دیا اور متعدد اہم شخصیتوں مثلاً حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس انقلابی حلقہ کا رکن بنا دیا۔ بڑی

خاموشی، رازداری اور احتیاط سے اس حلقہ کے جواں ہمت

کارکن اس کو توسیع دے رہے تھے۔ عمار، جناب، ارقم، سعید

بن زید (انہی زید بن عمرو کے بیٹے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے،

یہ والد کی زندگی سے متاثر تھے) عبداللہ بن مسعود، عثمان بن

مظعون، عبیدہ، صہیب رومی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی

اسلامی تحریک کے ابتدائی خفیہ دور میں سابقین اولین کی

صف میں آچکے تھے!

نماز کا وقت آتا تو حضورؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے

جاتے اور اپنے رفقا کے ساتھ چھپ چھپا کر سجدۂ عبودیت

بجالاتے۔ صرف چاشت کی نماز حرم میں پڑھتے۔ کیونکہ یہ

نماز خود قریش کے ہاں بھی مروج تھی۔ ایک مرتبہ آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز ادا فرما

رہے تھے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب نے دیکھ لیا۔ اس نے

انداز کی عبادت دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے اور بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد آپ ؐ سے پوچھا کہ یہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا ''ہمارے دادا ابراہیم ؑ کا بھی دین تھا''۔ یہ سن کر ابو طالب نے کہا کہ میں اسے اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا'' (سیرت النبی علامہ شبلی ج ا ص ۱۹۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تحریک اسلامی کے اسی خفیہ دور میں ایمان لائے اور آپ ؐ کا ترتیبی نمبر بہ تحقیق علامہ شبلی چھٹا یا ساتواں ہے۔ یہ بھی انہی مضطرب لوگوں میں سے تھے جو بت پرستی چھوڑ کر محض فطرتِ سلیم کی رہنمائی میں خدا کا ذکر کرتے اور اس کی عبادت بجا لاتے۔ ان تک کسی ذریعے سے آنحضور ؐ کی دعوت کا نور پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ جا کر صحیح معلومات لائیں۔

انہوں نے آنحضورؐ سے ملاقات کی۔ قرآن سنا اور بھائی کو

بتایا کہ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے، لوگ اسے مرتد

(دیکھئے بگڑے ہوئے معاشرے کی شان کہ جو شخص دنیا بھر کو

ایمان سے مالا مال کرنے آیا تھا اسی پر بے دینی کا ٹھپہ لگا

دیا۔ ہر دور کے مذہبی ٹھیکے داروں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے)

کہتے ہیں۔ لیکن وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک

عجیب کلام سناتا ہے جو شعروشاعری سے بالکل مختلف ہے۔

اس کا طریقہ تمہارے طریقے سے ملتا جلتا ہے۔ اس اطلاع

پر ابوذر خود آئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اخفاء کے مشک حق

کی خوشبو کو ہوا کی لہریں لے اڑی تھیں اور خدا کے رسولؐ کے

لیے بدنام کن القاب تجویز کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا

لیکن پھر بھی ماحول پرسکون تھا ابھی وہ ''خطرے'' کا پورا پورا

اقدام نہیں کر پایا تھا۔

دیکھئے ایک اور اہم تاریخی حقیقت کہ تحریک کے ان اولین علمبرداروں میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اعلے درجے کے مذہبی اور قومی مناصب پر مامور ہو۔ یہ حضرات اغراض کے بوجھ تلے دبے ہوئے اور مفاد کی ڈوریوں سے بندھے ہوئے نہ تھے۔ ہمیشہ ایسے ہی آزاد فطرت نوجوان تاریخ میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا کرنے کے لیے اگلی صفوں میں آیا کرتے ہیں۔ لیڈروں اور عہدہ داروں میں سے کوئی بھی ادھر نہ آیا تھا۔

تحریک اپنے اس خفیہ دور میں قریش کی نگاہوں میں درخور اعتنا نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ چند نوجوانوں کا سرپھرا پن ہے۔ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ چار دن میں دماغوں سے یہ ہوا نکل جائے گی۔ ہمارے سامنے کون دم

مار سکتا ہے۔ مگر برسر اقتدار طبقہ تخت قیادت پر بیٹھا اپنے زعم

قوت میں مگن رہا اور سچائی اور نیکی کی کونپل تخت کے سائے

میں آہستہ آہستہ جڑیں چھوڑتی رہی اور نئی پتیاں نکالتی

رہی۔ یہاں تک کہ تاریخ کی زمین میں اس نے اپنا ایک

مقام بنا لیا۔ قریش کا ایک اعتقاد یہ بھی تھا کہ لات اور منات

اور عزیٰ جن کے آگے ہم پیشانیاں رگڑتے اور چڑھاوے

پیش کرتے ہیں اور جن کے ہم خدام بارگاہ ہیں اپنے احترام

اور مذہب بت پرستی کی خود حفاظت کریں گے اور ان کی

روحانی مار اس ہنگامہ کو ختم کر دے گی۔

دعوتِ عام

تین برس اسی طرح گزر گئے لیکن مشیت الٰہی

حالات کے سمندر کو بھلا تہ بستہ کہاں رہنے دیتی؟ اس کی

سنت تو ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ وہ باطل کے خلاف حق کو اٹھا کر کھڑا کرتی ہے اور پھر ٹکراؤ پیدا کرتی ہے۔ (بل نقذف بالحق علی الباطل) اسی سنت کے تحت ایک دوسرے دور کے افتتاح کے لیے حکم ہوتا ہے "فاصدع بما تؤمر!" جو کچھ دیا جا رہا ہے اسے واشگاف کہہ دیجیے!

آنحضورؐ اپنی ساری ہمت و عزیمت کو سمیٹ کر نئے مرحلے کے متوقع حالات کے لیے اپنے آپ کو تیار کر کے کوہِ صفا پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور قریش کو عرب کے اس خاص اسلوب سے پکارتے ہیں جس سے وہاں کسی خطرے کے نازک لمحے میں قوم کو بلایا جاتا تھا۔ لوگ دوڑ کر آتے ہیں، جمع ہو جاتے ہیں اور کان منتظر ہیں کہ کیا خبر سنائی جانے والی ہے۔

آپؐ نے باآوازِ بلند پوچھا "اگر میں یہ کہوں کہ اس

پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آرہی ہے تو کیا تم مجھ پر اعتماد کرو گے؟''

''ہاں، کیوں نہیں؟ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے'' یہ جواب تھا جو بالاتفاق مجمع کی طرف سے دیا گیا!

''تو پھر میں کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ۔۔۔ اے بنو عبدالمطلب! اے بنو عبد مناف! اے بنو زہر! اے بنو تمیم! اے بنو مخزوم! اے بنو اسد!۔۔۔ ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہوگا''۔ ان مختصر الفاظ میں آپؐ نے اپنی دعوت برسرعام پیش کردی۔

آپؐ کے چچا ابولہب نے یہ سنا تو جل بھن کر کہا ''غارت ہو جاؤ تم آج ہی کے دن! کیا یہی بات تھی جس کے لیے تم نے ہم سب کو یہاں اکٹھا کیا تھا؟'' ابولہب اور

دوسرے اکابر بہت برہم ہو کر چلے گئے!

دیکھئے! ابولہب کے الفاظ میں دعوتِ نبویؐ کے صرف نا قابل اعتناء ہونے کا تاثر جھلک رہا ہے۔ ابھی کوئی دوسرا ردِ عمل پیدا نہیں ہوا۔ شکایت صرف یہ تھی کہ تم نے ہمیں بے جا تکلیف دی اور ہمارا وقت ضائع کیا۔

دعوت عام کی مہم کا دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ آنحضورؐ نے تمام خاندانِ عبدالمطلب کو کھانے پر بلوایا۔ اس مجلس ضیافت میں حمزہ اور ابوطالب اور عباس جیسے اہم لوگ بھی شریک تھے۔ کھانے کے بعد آپؐ نے مختصر سی تقریر کی اور کہا کہ میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے (بالکل ابتدائے دعوت میں آنحضورؐ اس حقیقت کا شعور رکھتے تھے کہ وہ دنیا سے کٹا ہوا مذہب لے کر نہیں آئے بلکہ دنیا کو سنوارنے والا دین لے کر آئے ہیں) کون

اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے؟

اس پر سکوت چھا گیا۔ اس سکوت کے اندر تیرہ برس کا ایک لڑکا اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ "اگرچہ میں آشوب چشم میں مبتلا ہوں، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، اگرچہ میں ایک بچہ ہوں لیکن میں اس مہم میں آپ کا ساتھ دوں گا" ۔ یہ حضرت علیؑ تھے جو آگے چل کر اساطین تحریک میں شمار ہوئے۔

یہ منظر دیکھ کر حاضرین میں خوب قہقہہ پڑا! --- اس قہقہے کے ذریعہ گویا خاندان عبدالمطلب یہ کہہ رہا تھا کہ یہ دعوت اور یہ داعی اور یہ لبیک کہنے والا کون سا کارنامہ انجام دے لیں گے۔ یہ سب کچھ ایک مذاق ہے، ایک جنون ہے، اور بس! اس کا جواب تو صرف ایک خندۂ استہزاء سے دیا جا سکتا ہے!

اس دوسرے واقعہ پر ماحول کا سکون نہیں ٹوٹا،
مگر زندگی نہنگوں اور گھڑیالوں نے کوئی انگڑائی نہیں لی، لیکن
اس کے بعد تیسرا قدم اٹھا تو اس نے معاشرہ کو ہسٹریا کے
اس دورے میں مبتلا کردیا جو آہستہ آہستہ شروع ہوکر روز
بروز تند و تیز ہوتا گیا!

اس تیسرے اقدام کے بارے میں گفتگو کرنے
سے قبل ایک اور واقعہ کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا
کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ مخالف ماحول کی سنگینی کی وجہ سے
نماز، چوری چھپے پڑھی جاتی تھی۔ آنحضورؐ اور رفقائے تحریک
شہر سے باہر وادیوں اور گھاٹیوں میں جا جا کر نماز ادا
کرتے۔ ایک دن ایک گھاٹی میں سعد بن ابی وقاص
دوسرے رفقائے نبویؐ کے ساتھ نماز میں تھے کہ مشرکین نے
دیکھ لیا۔ عین حالت نماز میں ان مشرکین نے فقرے کسنے

شروع کیے، بُرا بھلا کہا اور نماز کی ایک ایک حرکت پر پھبتیاں چُست کرتے رہے۔ جب ان لایعنی باتوں کا کوئی جواب نہ ملا تو زچ ہو کر لڑنے پر اُتر آئے۔ اس دنگے میں ایک مشرک کی تلوار نے سعد ابن ابی وقاص کو زخمی کر ڈالا۔ یہ تھی خون کی سب سے پہلی دھار جو مکہ کی خاک پر خدا کی راہ میں بہی! یہ جاہلی معاشرے کا سب سے پہلا جنون آمیز خونیں ردعمل تھا اور اس ردعمل کے تیور بتا رہے تھے کہ مخالفت اب تشدد کی منزل میں داخل ہونے والی ہے۔

انتشار انگیزی

تحریک کی زیرِ سطح رو نے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے چالیس موتی اکٹھے کر لیے تھے اور اب گویا اسلامی جماعت ایک محسوس طاقت بن چکی تھی، کھلم کھلا کلمہ حق

پکارنے کا حکم آ ہی چکا تھا، اس کی تعمیل میں آنحضورؐ نے ایک دن حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کیا، لیکن مذہبیت جب بگڑتی ہے تو اس کی اقدار اس طرح تہ و بالا ہو جاتی ہیں کہ وہ گھر جو پیغام توحید کے مرکز کی حیثیت سے استوار کیا گیا تھا آج اسی کی چار دیواری کے اندر خدائے واحد کی وحدت کی پکار بلند کرنا اس مرکز توحید کی توہین کا موجب ہو چکا تھا! بتوں کے وجود سے کعبے کی توہین نہیں ہوتی تھی، بتوں کے آگے پیشانیاں رگڑنے سے بھی نہیں، ننگے ہو کر طوف کرنے اور سیٹیاں اور تالیاں بجانے سے بھی نہیں۔ غیر اللہ کے نام پر ذبیحے پیش کرنے سے بھی نہیں۔ مجاوری کی فیس اور پروہتی کا ٹیکس وصول کرنے سے پہلے بھی نہیں ۔۔۔ لیکن اس گھر کے اصل مالک کا نام لیتے ہی اس کی توہین ہو گئی تھی۔ (یہ تو خیر مشرکین تھے دور جاہلیت کے! آج

ہمارے سامنے ایک مسلمان اور معمولی مسلمان نہیں، ایک مذہبی شخصیت کعبہ کے نظام تولیت کی خرابیوں پر تنقید کرنے والے اپنے بھائی کو توہینِ کعبہ کا مجرم گردانتی ہے! فاعتبروا یا ولی الابصار!)

کعبہ کی توہین! حرم کی بے حُرمتی! ---توبہ توبہ! کیسی خون کھولا دینی والی بات ہے۔کیسی جذبات کو مشتعل کردینے والی حرکت ہے! چنانچہ کھولتے ہوئے خون اور مشتعل کردینے والے جذبات کے ساتھ چاروں طرف سے کلمۂ توحید کو سننے والے مشرکین و کفار اُمڈ آتے ہیں۔ ہنگامہ برپا ہوجاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھیرے میں آجاتے ہیں۔حارث بن اُبی ام ہالہ کے گھر میں تھے،شور و شغب سُن کر آنحضورؐ کو بچانے کے لیے دوڑے لیکن ہر طرف سے تلواریں ان پر ٹوٹ پڑیں اور وہ شہید ہوگئے۔

عرب کے اندر اسلام اور جاہلیت کی کشمکش میں یہ پہلی جان تھی جو حمایت حق میں قربان ہوئی۔

دیکھا آپ نے! ایک دعوت جو معقول اور پرسکون انداز سے دی جارہی تھی، اس پر غور کرکے رائے قائم کرنے اور اس کے استدلال کا جواب دلائل سے دینے کے بجائے اندھے جذباتی اشتعال سے دیا جاتا ہے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کلمۂ حق آہنی تلوار سے منوانے نہیں اُٹھے لیکن مخالف طاقت معاً تلوار سونت کے آجاتی ہے۔ یہی ایک فاسد نظام کے مفاد پرست محافظین کی علامت ہے کہ معقولیت کے جواب میں اشتعال اور دلیل کے جواب میں تلوار لیے میدان میں اُتر تے ہیں۔ مخالفین میں اتنا ظرف نہیں تھا کہ وہ کم سے کم چند ہفتے، چند دن، چند لمحے حرم سے اُٹھنے والی صدا پر پُرسکون طریقے سے غور وفکر کر سکتے۔ یہ

تسلیم کرتے کہ محمدؐ کو بھی ان کی طرح کسی نظریے، فلسفے، عقیدے پر ایمان رکھنے، کسی مذہب پر چلنے اور ان کی قائم کردہ صورتِ مذہب سے اختلاف کرنے کا حق ہے، کم سے کم امکان کی حد تک یہ گنجائش مانتے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے اندر غلطی موجود ہو اور محمدؐ ہی کی دعوت سے حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو۔ کسی نظامِ فاسد کے سربراہ کاروں میں اتنا ظرف باقی نہیں رہتا، ان میں اختلاف کے لیے قوتِ برداشت بالکل ختم ہوجاتی ہے، ان کی غور و فکر کی صلاحیتیں زنگ آلود ہوجاتی ہیں۔

ذرا اندازہ کیجیے کہ کیسی تھی وہ فضا جس میں ہم سب کی دنیوی و اُخروی فلاح و بہبود کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے والا داعیِ حق بے سروسامانی کے عالم میں اپنا فرض ادا کررہا تھا!

گندا پروپیگنڈا

ابراہیم و اسمٰعیل علیہا السلام کے پاکیزہ جذبات اور پاکیزہ حسرتوں اور تمناؤں کے مسالے سے بنے ہوئے حرم پاک کے اندر مکہ والوں کی اس حرکت کے وقوع نے آنے والے مستقبل کا ایک تصور تو ضرور دلا دیا اور ایک بے گناہ کے خون سے آئندہ ابواب تاریخ کی سرخی تو جما دی لیکن یہ اصل دور تشدد کا افتتاح نہیں تھا۔

پہلا مرحلہ مخالفت ہمیشہ استہزا، تضحیک اور کٹ حجتیوں کا ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ غنڈہ گردی کا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پایہ اعتبار سے گرانے کے لئے گالی دینے کے کمینہ جذبہ کے ساتھ

پروپیگنڈے کے ماہر استادوں نے کیا کیا القاب گھڑنے شروع کیے۔

مثلاً یہ کہا جانے لگا کہ اس شخص کی بات کیوں سنتے ہو، یہ تو (نعوذ باللہ) ''مرتد'' ہے۔ مسلک بندو دین اسلاف جس کے ہم اجارہ دار ہیں تت یہ اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا ہے اور اب اپنے پاس سے ایک انوکھا دین گھڑ لایا ہے۔ کوئی استدلال نہیں۔ بس اپنی گدیوں پر بیٹھے بیٹھے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو ''صابی'' ہو گیا ہے۔ صابیت چونکہ اس وقت کی مشرکانہ سوسائٹی میں ایک بدنام اور ناپسندیدہ مسلک تھا، اس لئے کسی کا نام صابی دھر دینا ویسی ہی گالی تھا جیسے آج کسی مسلمان کو یہودی یا خارجی یا نیچری کہہ دیا جائے۔ حق کے خلاف دلائل کے لحاظ سے بودے لوگ جب منفی ہنگامے اٹھاتے ہیں تو ان کی

پروپیگنڈے کی مہم کا ایک ہتھیار ہمیشہ اس طرح کے بدنام القاب اور ناموں اور اصطلاحوں کا چسپاں کرنا ہوتا ہے۔ گلی گلی، مجلس مجلس مکہ کے پروپیگنڈسٹ ڈھنڈورہ پیٹتے پھرتے تھے کہ دیکھو جی! یہ لوگ صابی ہو گئے ہیں، بے دین ہو گئے ہیں، باپ دادا کا دین دھرم انہوں نے چھوڑ دیا ہے، نئے نئے عقیدے اور نئے نئے ڈھنگ گھڑ کے لا رہے ہیں۔ دیکھو جی! ان ہونی باتیں ہو رہی ہیں! یہ آندھی جب اٹھ رہی ہوگی تو تصور کیجئے کہ اس میں راستہ دیکھنا اور سانس لینا عام لوگوں پر کتنا دوبھر ہو گیا ہوگا اور داعیانِ حق کے مختصر سے قافلے کو کس آفت کا سامنا ہوگا! مگر آندھیاں اربابِ عزیمت کے راستے کبھی نہیں روک سکتیں! ما یفتح الله للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا (فاطر: ۲) اللہ رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لئے کھول دے اسے کوئی

روکنے والا نہیں)

دلائل کے مقابلہ میں جب گالیاں لائی جارہی ہوں تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ دلائل تو اپنی جگہ جمے رہتے ہیں لیکن جو گالی مقابلے پر لائی جاتی ہے وہ جذباتی حد تک دوچار دن کام دے کر بالکل بے اثر ہوجاتی ہے اور انسانی فطرت اس سے نفور ہونے لگتی ہے۔ اس لئے استادانِ فن کا یہ کلیہ ہے کہ نت نئی گالیاں ایجاد کرتے چلے جاؤ۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گالی اور وضع کی گئی۔ آپ کو "ابن ابی کبشہ" کہا جاتا تھا۔ ابی کبشہ ایک معروف مگر بدنام شخصیت تھی۔ یہ شخص تمام عرب کے ذہنی رجحانات کے خلاف شعریٰ نامی ستارے کی پرستش کرتا تھا۔ ابن ابی کبشہ کے معنی ہوئے "ابی کبشہ کا بیٹا"۔ یا ابی کبشہ کا پیرو (نعوذ باللہ) دل کا بخار نکالنے کے لئے مکہ کے مریضانہ جذباتیت

نے کیا کیا کچھ ایجادیں نہیں کیں۔

کسی صاحبِ دعوت یا کسی نقیب تحریک کی ذات پہ جب اس طرح کے وار کیے جاتے ہیں تو اصل مطلوب اس ایک شخصیت کو کرب دینا ہی نہیں ہوتا، بلکہ درحقیقت گالی دی جاتی ہے اس نظریہ و مسلک کو اور اس کام اور تنظیم کو جس کی روز افزوں یلغار سے سابقہ پڑا ہوتا ہے مگر کیا ایک اٹھتے ہوئے سیلاب کے آگے گوبر کے پشتے باندھ کر اس کو روکا جاسکتا ہے۔ مستہزئین مکہ دیکھ رہے تھے کہ وہ گندگی کے جو جو بند بھی باندھتے ہیں، یہ دعوت ان کو بہائے لئے جارہی ہے اور ہر صبح اور ہر شام کچھ نہ کچھ آگے ہی بڑھتی جاتی ہے تو انہوں نے پروپیگنڈے کے دوسرے پہلو اختیار کئے۔ ایک نیا لقب یہ تراشا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) درحقیقت پاگل ہوگیا ہے۔ جنوں کی مار پڑنے سے اس کا سر پھر گیا ہے۔ یہ جو

باتیں کرتا ہے وہ ہوش و حواس اور عقل و حکمت کی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ ایک مالیخولیا ہے کہ جس کے دورے پڑنے پر کبھی اسے فرشتے نظر آتے ہیں۔ کبھی جنت اور دوزخ کے خواب دکھائی دیتے ہیں، کبھی وحی اترتی ہے اور کبھی کوئی انوکھی بات منکشف ہو جاتی ہے۔ یہ ایک سرپھرا آدمی ہے۔ اس لئے اس کی باتوں پر عام لوگوں کو دھیان نہیں دینا چاہئے اور اپنا دین و ایمان بچانا چاہیے۔ ہمیشہ سے یہ ہوا ہے کہ داعیان حق کا زور استدلال توڑنے کے لئے یا تو ان کو پاگل کہا گیا ہے یا سفیہہ و احمق! ہوش مند تو بس وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی دنیا بنانے اور زمانے کی ہاں میں ہاں ملانے اور اپنی خواہشوں کا سامان تسکین بہم کرنے میں منہمک رہیں۔ باقی وہ لوگ جو تجدید و اصلاح کی مہم اٹھا کر جان جوکھوں میں ڈالیں، ان کو دنیا پرست اگر احمق اور پاگل نہ کہیں تو آخر ان

کی ڈکشنری میں اور کون سا لفظ موزوں ہو سکتا ہے۔

پھر یہ بات پیچھے کہتے رہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ روز روز کہا جاتا تھا: یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون (الحجر: ۶) گالی کا اصلی مزہ تو آتا ہی جب ہے کہ وہ رو در رو سنائی جائے!

لیکن کبھی پاگلوں کے گرد بھی دنیا کسی تحریک کو چلانے کے لئے منظم ہوئی ہے۔ کبھی احمقوں کا دامن بھی ہوشمند اور سلیم الفطرت نوجوانوں نے تھاما ہے؟ کبھی سر پھرے لوگوں کے بلاوے پر سمجھدار لوگوں نے بھی لبیک کہی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے مشرکین مکہ (پختہ مذہبی رجحانات رکھنے والوں کے لئے اہل مغرب نے جنونی (FANATIC) کی خاص اصطلاح اس معنی میں اختیار کر رکھی ہے کہ یہ عقلی توازن سے بے بہرہ جذباتی لوگ

ہوتے ہیں۔ خود ہمارے اپنے اندر کے بد مذہب عناصر
داعیانِ حق کو جب ''ملا'' کہتے ہیں تو اس معنی میں کہتے ہیں
کہ یہ لوگ سوجھ بوجھ سے کورے حالاتِ زمانے سے
نا آشنا اور اپنے ماضی کے بوسیدہ خیالات کے اندر سے عاشق
ہوتے ہیں۔ اس سے نیچے اتر کر دینی لوگوں کو مخالف عناصر
سیاست سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ بھی دیتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ یہ ہیں ہی احمق!) نے ایک طرز گھڑی کہنے لگے کہ
مدعی نبوت درحقیقت جادو کے فن میں درک رکھتا ہے۔ یہ
اس کا فنی کمال ہے کہ دو چار باتوں میں ہر ملنے والے پر
چپنا زم کر دیتا ہے۔ نظر بندی کی حالت میں مبتلا کر دیتا ہے
اور ذرا کوئی اس کی باتوں میں آیا نہیں کہ جادو کے جال میں
پھنسا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے بھلے سوجھ بوجھ رکھنے والے
لوگ اس کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں!

ہاں، مگر ایک سوال یہ بھی تو پیدا ہوتا تھا کہ کبھی
جادوگر نے بھی آج تک مذہبی و تمدنی تحریکیں چلائی ہیں اور
کبھی کاہنوں نے خدا پرستی اور توحید اور مکارم اخلاق کا درس
دینے کے لئے فن ساحری کو استعمال کیا ہے؟ کوئی مثال ایسی
تاریخ میں ہے کہ جادوگروں کی سی ذہنی سطح رکھنے والے کسی
فرد نے نظام وقت کو بدل ڈالنے کے لئے جادو کے زور سے
ایک انقلابی رو اٹھا کھڑی کی ہو؟ کبھی جادو کے زور سے
دلوں اور دماغوں، روحوں اور سیرتوں کو بھی بدلنے کی کوئی
مثال سامنے آئی؟ پھر وہ کیسا جادوگر تھا جو شعبدہ گری کر کے
چار پیسے کماتے پھرنے کے بجائے ساری دنیا کے عذاب
بھگتتا ہوا سوسائٹی کے بہترین صالح عنصر کو اپنے گرد ایک
بڑی اجتماعی مہم کے لئے سمیٹ رہا تھا۔ کیا یہ کوئی نظر بندی کا
ایک شعبدہ تھا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہا تھا

لیکن یہ سکہ بند الزام ہے، ایسا الزام ہر دور میں ہر صاحب دعوت پر لگایا گیا ہے۔ یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خود دعوت میں صداقت نہیں کہ اس کی فطری کشش کام کرلے۔ داعی کے استدلال میں کوئی وزن نہیں کہ جس سے قلوب مسخر ہورہے ہوں بلکہ سارا کھیل کسی پراسرار قسم کی فریب کاری اور ساحری پر مبنی ہے اور یہ اسی کا اثر ہے کہ بھلے چنگے لوگ توازن کھو بیٹھتے ہیں۔

لوگ اکابر قریش کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی تقاریر اور آیات قرآنی خصوصاً پیش بھی تو کرتے ہوں گے کہ یہ اور یہ باتیں کہی گئی ہیں۔ کلام کے وہ جوہر شناس آخر یہ تو محسوس کرلیتے ہوں گے کہ خود یہ کلام موثر طاقت ہے۔ اس پر بحثیں ہوتی ہوں گی اور رائیں قائم ہوتی ہوں گی۔ اس کلام کے اعجاز کی توجیہہ کرنے کے لئے

انہوں نے کہنا شروع کیا کہ "اجی کیا ہے، بس شاعری ہے، الفاظ کا ایک آرٹ ہے ست ادیبانہ زور ہے، محمدؐ درجہ اول کے آرٹسٹ اور لسان خطیب ہے، ان کی شاعری کی وجہ سے کچے ذہن کے نوجوان بہک رہے ہیں"۔

اے قریشِ مکہ! شاعر تو دنیا میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ کیا کوئی ایسا انوکھا شاعر کبھی پیدا ہوا جو اس بے داغ سیرت اور عظیم کردار کا حامل ہو جس کا مظاہرہ محمدؐ اور ان کے رفقاء کر رہے تھے۔ کیا شاعری کے طلسم باندھنے والوں نے کبھی ایسی دینی مہمات بھی برپا کی ہیں جیسی تمہارے سامنے ہو رہی تھی؟ قریش کے سامنے بھی یہ سوال تھا۔ اس کا جواب دینے کے لئے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کہانت کا ایک اور الزام باندھا۔ کاہن لوگ کچھ مذہبی انداز و اطوار رکھتے تھے۔ ایک عجب پر اسراری فضا بناتے تھے۔ چلوں اور

اعتکافوں اور وظیفوں اور منتروں میں ان کی زندگی گزرتی تھی

۔ مراقبوں اور مکاشفوں اور فال گیریوں کے ذریعہ ایک

ٹیکنیکل زبان میں غیب کے اسرار لوگوں کو بتاتے تھے ۔ عام

لوگوں سے کچھ انوکھے سے انداز و اطوار رکھتے تھے ۔ کچھ

مجذوبانہ سی شان ہوتی تھی ۔ کاہن کہنے سے قریش کا مدعا

یہی تھا کہ آنحضورؐ نے بھی بس اسی طرح کا ایک ڈھکوسلہ

بنا رکھا ہے تاکہ لوگ آئیں ، مرید بنیں ، ان پر کہانت کا سکہ

بھی چلے اور پیٹ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے (معاذاللہ)

اور قرآن اس سارے پروپیگنڈے کی دھواں

دھاریوں کو محیط ہو کر آسمانی بلندیوں سے پکار رہا تھا کہ :-

وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون

ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون

یہ شاعری نہیں ہے، مگر افتاد تو یہ آپڑی کہ تم نے ایمان و یقین کے دروازے بند کر رکھے ہیں، یہ کہانت نہیں، مگر رکاوٹ یہ ہوئی کہ تم نے غور و فکر نہ کرنے اور کسی قسم کا سبق نہ لینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اس طوفانِ بدتمیزی پر قرآن نے چار لفظوں میں کیا ہی شان دار تبصرہ آنحضورؐ کو مخاطب کر کے کیا کہ ''انظر! کیف ضربوا لک الامثال!'' (الفرقان) دیکھو یہ لوگ کیسے کیسے محاورے اور فقرے چست کرتے ہیں، کیسے کیسے نام دھرتے ہیں، کیا کیا تشبیہیں گھڑتے ہیں اور کہاں کہاں سے اصطلاحیں ڈھونڈ کے لاتے ہیں، مگر یہ سب کچھ کر کے پھر یکا یک پلٹا کھاتے ہیں؟ فضلو العینی اپنے ہی آپ کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔

دیکھئے! اب ایک شوشہ تراشا جاتا ہے۔ دین ابراہیمی کے نام لیوا فرماتے ہیں کہ یہ کوئی جن ہے جو محمد (

صلی اللہ علیہ وسلم) پر آتا ہے اور وہ آ کر عجیب عجیب باتیں بتاتا ہے، یا یہ کہ وہ سکھا پڑھا جاتا ہے۔ کبھی مکہ کے ایک رومی ونصرانی غلام (جابر یا جبر ایا جبر) کا نام لیا جاتا جو آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کی باتیں سنا جاتا ہے اور تنہائی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ وعظ اور لیکچر نوٹ کراتا ہے۔ ایک موقع پر وفدِ اکابرِ قریش نے خود آنحضورؐ سے کہا کہ '' ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یمامہ میں کوئی شخص '' الرحمٰن '' نامی ہے جو تمہیں یہ سب کچھ سکھاتا پڑھاتا ہے۔ خدا کی قسم ہم اس الرحمٰن پر ایمان نہیں لانے کے''۔ (ابن ہشام ، ج: ۱، ص: ۳۱۷) ان ہوائی شوشوں سے یہ ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ یہ کسی بیرونی طاقت اور کسی غیر شخص کی شرارت ہے جو ہمارے مذاہب اور ہمارے معاشرے کو تباہ کرنے کے درپے ہے اور محمد ابن عبداللہ تو محض آلہ کار ہے۔ یہ کسی طرح

کی ساز باز ہے۔ دوسری طرف اس میں یہ تاثر بھی شامل تھا کہ کلام کا یہ حسن و جمال نہ محمدؐ کا کمال ہے، نہ خدا کی عطا و بخشش، یہ تو کوئی اور ہی طاقت گل کھلا رہی ہے۔ تیسرے طرف اس کے ذریعہ کذب و افترا علی اللہ کا الزام بھی داعی حق پر چسپاں ہو رہا تھا۔ اس کے جواب میں قرآن نے تفصیلی استدلال کیا ہے مگر اس کی چیلنج قطعی طور پر مسکت ثابت ہوا کہ انسانوں اور جنوں کی مشترکہ مدد سے تم اس طرح کی کوئی سورہ یا ایسی چند آیات ہی بنا کر لاؤ۔

ضمناً مزید ایک دعویٰ یہ بھی سامنے آیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کوئی خاص کارنامہ نہیں ہے۔ اصل میں پرانے قصے کہانیاں ہیں جن کا مواد کہیں سے جمع کر کے زوردار زبان میں ڈھالا جا رہا ہے، یہ ایک طرح کی افسانہ طرازی ہے اور داستان گوئی ہے اور جس طرح داستان کو

محفل پر چھا جاتا ہے ت اسی طرح محمدؐ چٹپٹے انداز سے قصے
سنا سنا کر داد وصول کررہا ہے۔ دعوتِ حق پر " اساطیر الاولین
" کی پھبتی کسنے میں یہ طنز بھی شامل تھا کہ اگلے وقتوں کی ان
باتوں کے ذریعہ آج کے مسائل کی عقدہ کشائی کہاں ہو سکتی
ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں آپہنچا، اگلے وقتوں کی کہانیاں اس
میں انسان کا کیا کام بنا کے دے سکتی ہے۔

کمال یہ ہے کہ ایک طرف یہ الزام دیا جارہا تھا کہ
اسلاف کے مسلکِ بندوین کے بالمقابل نئی باتیں گھڑی جارہی
ہیں۔ دوسری طرف بالکل متضاد قسم کا یہ طعنہ کہ گڑے مردے
اکھیڑ کر لائے جارہے ہیں! ہمیشہ غیر مسلم اشرار کا یہی حال رہا
ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کبھی ایک پہلو سے آکر نکتہ چھانٹتے
ہیں اور کبھی دوسرے رخ سے یورش کرکے دوسرا برعکس قسم کا
اعتراض لاپھینکتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ خود اپنی تردید آپ

کر رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک محاذ شعراء کا قائم کیا گیا تھا۔

ابوسفیان بن حارث، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبعری اس مہم پر مامور کئے گئے کہ وہ آنحضورؐ کے خلاف گندی ہجویہ نظمیں کہیں اور ان کو نشر کریں۔ واضح رہے کہ شعراء کا جاہلی سوسائٹی پر بڑا اثر تھا۔ یہ لوگ گویا ذہنی رہنمائی اور تربیت کے منصب پر فائز تھے اور ان کے منہ کا ایک ایک بول دلوں میں گھر کرتا تھا اور اسے یاد کر کے پھیلایا جاتا تھا۔ یوں سمجھئے کہ شعراء اس دور میں تقریباً آج کے صحافیوں کی پوزیشن میں تھے جس طرح آج ایک ماہر فن صحافی اگر اپنے قلم اور اخبار کی طاقت کے بل پر کسی کے پیچھے پڑ جائے تو اپنے شذرات سے فکاہی ہجو نگاری سے اور مراسلات کے کالموں کے غیر شریفانہ استعمال سے خبروں کا بلیک آؤٹ کرنے اور

بیانات کی کتر بیونت کرنے اور گمراہ کن سرخیات جمانے
سے وہ کسی دعوت اور جماعت اور تحریک کے لئے بھاری
مشکلات پیدا کرسکتا ہے۔ ٹھیک یہی مقام شعرائے عرب کا
تھا۔ وہاں ایک سے زیادہ شعراء اس کام پر لگادیے گئے کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت و تحریک کو گلی گلی بدنام
کرتے پھریں اور مقفّی و مسجع گالیاں نشر کریں، بالکل یہ سماں
تھا کہ جیسے ذہنی و فکری دنیا میں ایک شریف راہ گیر کے پیچھے
کتے لگادیے گئے ہوں، لیکن محسنِ انسانیت کا پیغام اور کردار
بجائے خود شاعروں کے جادو کا کامیاب توڑ تھا۔

واضح رہے کہ یہ ساری مہم کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں
بلکہ سوچی سمجھی ہوئی شرارت کے طور پر چلائی جارہی تھی۔
انہوں نے مل کر یہ قرارداد طے کی تھی کہ لاتسمعوا
لھذا القران والغوا فیہ لعلکم تغلبون (حم السجدہ: ۸)۔

(۲۶)۔یعنی داعی کی بات سنو ہی نہیں۔ اس پر غور کرو ہی نہیں، کہیں خیالات میں تزلزل نہ آ جائے، کہیں ایمان خراب نہ ہو جائے۔ بس ہاؤ ہو کا خوب شور مچا کر اس میں رخنہ اندازی کرو اور اس میں گڑبڑ ڈالو اور اسے مذاق پر دھر لو اس طریقے سے قرآن کا زور ٹوٹ جائے گا اور آخری فتح تمہاری ہو گی۔ اس آیت کے اندر مطالعہ کیجیے حق کی مخالفت کرنے والی طاقتوں کی نفسیات کا، وہ بات کو سننے اور سمجھنے سے بے نیاز ہو کر اور دوسروں کو بھی سننے سمجھنے سے روک کر ہنگامہ آرائی کرتی ہیں۔ ایسے ذہنوں سے ہمارے محسن اور محبوب رہنما کا سابقہ پڑا تھا۔

عاص بن وائل السہمی نے آنحضور کی دعوت و تحریک کی تحقیر کرتے ہوئے یہ زہریلے کلمات کہے: دعوہ فانما ھو رجل ابتر لا عقب لہ لو مات لا تقطع

ذکرہ واستر حتم منہ" یعنی یہ کہ کیا ہے میاں چھوڑو
اسے اس کے حال پر، وہ تو ایک لنڈ منڈ آدمی ہے، کوئی اس
کے پیچھے رہنے والا نہیں، اس کے مرتے ہی اس کی یاد تک
فراموش ہو جائے گی اور تم اس کے جھنجھٹ سے نجات
پا کر امن چین سے رہنا۔ طعنہ دیا گیا تھا، آنحضور کی اولاد
نرینہ نہ ہونے پر، اور عرب میں فی واقع یہ طعنہ کچھ معنی رکھتا
تھا مگر عاص جیسوں کی نگاہیں یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ انبیاء جیسی
تاریخ ساز ہستیوں کی اصل اولاد ان کے عظیم الشان
کارنامے ہوتے ہیں، ان کے دماغوں سے نئے ادوار
تہذیب جنم لیتے ہیں اور ان کی دعوت و تعلیم کی وراثت
سنبھالنے اور ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کے رفقاء اور
پیروکار گروہ در گروہ موجود ہوتے ہیں وہ جس خیر کثیر کو لے
کر آتے ہیں۔ اس کی طاقت اور اس کی قدر و قیمت کسی کی

نرینہ اولاد کے بڑے سے بڑے لشکر سے کہیں زیادہ ہوتی

ہے۔ چنانچہ اس طعنے کے جواب میں سورہ کوثر نازل ہوئی

جس میں عاص اور اس کے ہم کیشوں کو بتایا گیا کہ ہم نے

اپنے نبیؐ کو کوثر عطا کیا ہے۔ اس خیر کثیر کا سرچشمہ بنایا ہے۔

اس قرآن کی نعمت عظمیٰ دی ہے، اسے ایمان لانے والوں

اور اطاعت کرنے والوں اور اس کے کام کو پھیلانے اور

جاری رکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت دی ہے اور اس

کے لئے عالم آخرت میں حوض کوثر کا تحفہ مخصوص کر رکھا ہے

جس سے ایک بار اگر کسی کو اذن نوش مل گیا تو وہ ابد تک

پیاس نہ محسوس کرے گا! پھر فرمایا کہ اے نبیؐ ابتر تو ہیں

تمہارے دشمن کہ جن کا باعتبار حقیقت کوئی نام لیوا اور پانی

دیوا نہیں ہے اور جن کے مرجانے کے بعد کوئی بھولے سے یاد

بھی نہ کرے گا کہ فلاں کون تھا اور جن کے لئے تاریخ انسانی

سے ایوان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرگرم ترین مستہزئین مکہ کی فہرست پیش کردی جائے۔ بنو اسد میں سے اسود بن المطلب، بنو زہرہ بن کلاب میں سے اسود بن عبد یغوث، بنی مخزوم میں سے ولید بن المغیرہ، بنو سہم میں سے عاص بن وائل، بنو خزاعہ میں سے حارث بن طلاطلہ، یہ لوگ طنز واستہزا اور دشنام طرازی کے محاذ کے سپہ سالار تھے ۔

نکتہ چینیاں

استہزا اور تنابز بالالقاب کے ساتھ نکتہ چینیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ جو لوگ آنکھوں دیکھتے ایک امر حق کو نہیں ماننا چاہتے وہ اپنے اور داعی کے درمیان طرح

طرح کے نکتے اور لطیفے اور باتوں میں سے باتیں نکال نکال کر ایک سنگین دیوار چنتے رہتے ہیں۔ اس بودی دیوار کا ہر رده رکھتے ہی گر پڑتا ہے معاندین کچھ اور اینٹ گارا لاتے ہیں۔ پھر ساری مزدوری برباد ہو جاتی ہے پھر وہ اور مسالہ استعمال کرتے ہیں، غرض ان کی ساری عمر اسی کھیل میں گذر جاتی ہے لیکن نہ وہ اپنا کچھ بنا سکتے ہیں نہ دوسروں کی کوئی تعمیری خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ وہ سوال اور اعتراض بالکل اور مزاج کا ہوتا ہے جو اخلاص کی اسپرٹ کے ساتھ ابھرتا ہے اور وہ سوال اور اعتراض بالکل دوسری ساخت رکھتا ہے جو شرارت سے داعی کا راستہ روکنے کے لئے کھڑا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو کٹ حجتی کہتے ہیں اور کٹ حجتی ہمیشہ بے ایمانی اور شرارت اور فتنہ پسندی کی گواہی دیتی ہے۔ کٹ حجتی کرنے والے ذہن کا انداز یہ ہوتا ہے کہ

دعوت سے کوئی سبق اخذ نہیں کرتا ہے بلکہ کاوش کرکے کوئی نہ کوئی چیز ڈھونڈ نکالتے رہتا ہے۔ یبغونھا عوجاً (ھود، ۱۹ او دیگر مقامات)

اسلاف کی سکہ بند مذہبیت کے یہ محافظین کرام آنحضورؐ سے ایک تو بار بار یہ پوچھتے تھے کہ تم اگر نبی ہو تو آخر کیوں نہیں ایسا ہوتا کہ تمہارے نبی ہونے کی کوئی واضح نشانی تمہارے ساتھ ہو، کوئی ایسا معجزہ ہو جسے دیکھنے والوں کے لئے نبوت مانے بغیر چارہ ہی نہ رہے لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ؟ (قصص ۵۰ و دیگر مقامات)

پھر وہ مسخ شدہ صورتیں بنا کر کہتے کہ لولا انزل علینا ملئکۃ او نری ربنا الفرقان۔ ۲۱۔ یعنی لمبے بحث و استدلال کی کیا ضرورت، سیدھی طرح آسمان سے فرشتوں کے جھنڈ اتریں، ہمارے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دیں

اور خدا تمہارے ذریعے پیغام بھیج کر اپنے آپ کو منوانے کے بجائے خود ہی کیوں نہ ہمارے سامنے آ جائے اور ہم دیکھ لیں کہ یہ ہے ہمارا رب جھگڑا ختم ہو جائے۔

پھر وہ یہ کہتے کہ جو کچھ تم پیش کر رہے ہو یہ اگر واقعی خدا کی طرف سے ہوتا تو چاہیے یہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہمارے دیکھتے دیکھتے آسمان سے اُترتی بلکہ تم خود سیڑھی کے ذریعے کتاب لیے ہوئے اُترتے اور ہم سر تسلیم خم کر دیتے کہ تم سچے نبی ہو۔ اسی سلسلے میں ایک سوال یہ بھی اُٹھایا جاتا تھا کہ یہ قرآن خطبہ بہ خطبہ اور قطعہ بہ قطعہ کیوں نازل ہوتا ہے۔ سیدھی طرح ایک ہی بار پوری کی پوری کتاب کیوں نہیں نازل ہو جاتی۔ دراصل انہیں یہ صورت بڑی کھلتی تھی کہ جتنے سوال وہ اُٹھاتے تھے، جو شرارتیں کرتے تھے، جس جس پہلو سے مین میخ نکالتے تھے اس پر وحی کے

ذریعے حسب موقع تبصرہ ہوتا، اس کا تجزیہ کیا جاتا اور پورے زورِ استدلال سے ان کی مخالفانہ کاوشوں کی جڑیں کھود دی جاتیں۔

پھر وہ یہ کٹ حجتی کرتے کہ تم جو گوشت پوست کے بنے ہوئے ہماری طرح کے ایک آدمی ہو، تمہیں بھوک لگتی ہے۔ معاش کے درپے ہو، روٹی کھاتے ہو، گلیوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہو، پھٹے حالوں رہتے ہو، تمہارے اوپر طرح طرح کی زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ کیسے یہ بات عقل میں آئے کہ تم اللہ کے پیارے اور اس کے معتمد نمائندے اور دنیا کی اصلاح کے ذمہ دار بنا کے بھیجے گئے ہو، تم واقعی اگر ایسے چیدۂ روزگار ہوتے تو فرشتے تمہارے آگے آگے ہٹو بچو کی صدا لگاتے، باڈی گارڈ بن کر ساتھ چلتے، جو کوئی گستاخی کرتا لٹھ سے اس کا سر پھوڑ دیتے تمہاری

یہ شان اور یہ ٹھاٹھ دیکھ کر ہر آدمی بے چون و چرا مان لیتا کہ اللہ کا پیارا اور نبی ہے۔ اتنا ہی نہیں تمہارے لیے آسمان سے خزانہ نہ اُترتا اور اس خزانے کے بل پر تم شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ عیش کی زندگی گزار رہے ہوتے، تمہارے بسنے کے لیے سونے کا ایک محل ہوتا، تمہارے لیے کوئی چشمہ جاری ہوتا کوئی نہر بہائی جاتی۔ تمہارے پاس پھلوں کا کوئی اعلٰے درجے کا باغ ہوتا، آرام سے بیٹھے اس کی کمائی کھاتے۔ اس نقشے کے ساتھ نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھتے تو ہم سب بسر و چشم مانتے کہ واقعی یہ کوئی منتخب زمانہ اور مقبولِ ربانی ہستی ہے۔ برخلاف اس کے حال یہ ہے کہ ہم لوگ کیا مال کے لحاظ سے، کیا اولاد کے لحاظ سے تم سے منزلوں آگے ہیں اور تمہارا حال جو کچھ ہے وہ سامنے ہے۔ ایک تم ہی نہیں تمہارے اردگرد جو ہستیاں جمع ہوئی ہیں وہ سب ایسے لوگ

ہیں جو ہماری سوسائٹی کے سب سے نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کوتاہ نظر اور کم علم ہیں۔ تم لوگوں کو ہمارے مقابلے میں کوئی بھی تو وجہ فضیلت حاصل نہیں۔ بتاؤ، اے محمدؐ! کہ ایسی صورت میں کوئی معقول آدمی کیسے تمہیں نبیؐ مان لے!

چنانچہ حال یہ تھا کہ جدھر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا پھبتیاں کسی جاتیں کہ اھذا الذی بعث اللہ رسولاً (الفرقان ۴۱) یعنی انگلیاں اٹھا اٹھا کر اور اشارے کر کر کے غنڈوں کا سا مذاق رکھنے والے اہالیانِ مکہ کہتے کہ ذرا دیکھنا ان صاحب کو، یہ ہیں جن کو اللہ نے رسول مقرر فرمایا ہے! خدا کو کسی آدم زاد سے رسالت کا کام لینا ہی تھا تو کیا لے دے کے یہی شخص رہ گیا تھا! کیا حسنِ انتخاب ہے۔ اسی طرح اسلامی تحریک کے علمبرداروں پر بہ حیثیت مجموعی یہ فقرہ چست کیا جاتا تھا۔ اھؤلاء منّ اللہ علیھم من

پہنانا۔ یہ ہیں وہ ممتاز ہستیاں جنہیں اللہ نے مراتب خاص سے نوازنے کے لیے ہمارے اندر سے چھانٹ لیا ہے۔

پھر کہا جاتا کہ اے محمدؐ! وہ جس عذاب کی تم روز روز دھمکیاں دیتے ہو اور جس کے ذریعہ اپنا اثر جمانا چاہتے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے؟ مایحبسہ۔ اُسے آخر کس چیز نے روک رکھا ہے چیلنج کر کر کے کہتے کہ فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین۔ (الشعراء ۱۸۷) کیوں نہیں تم آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ گراتے ہم جیسے نافرمان کافروں پر؟ اگر تم سچے ہو تو ہمارا خاتمہ کر ڈالو۔ بطور طنز یہ دعا کرتے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (الانفال)

پھر یہ دین اسلاف کے ٹھیکیدار یہ نکتہ چھانٹتے کہ

اے محمدؐ! جب تم بتاتے ہو کہ خدا قادر و صاحب اختیار و قاہر و جبار ہے تو کیوں نہیں وہ ہم کو اپنی طاقت کے زور سے اس ہدایت کے راستے پر چلا تا کہ جس پر چلنے کے لیے تم ہمیں کہتے ہو۔ وہ ہمیں موحد اور نیک دیکھنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں موحد بنا دے اور نیکی پر چلا دے۔ اس کو کس نے روک رکھا ہے وہ ہمیں بتوں کو نہ پوجنے دے۔ وہ ہمیں شرک نہ کرنے دے، وہ ہمیں بدعقیدہ نہ ہونے دے۔ جب وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہماری موجودہ روش اسے گوارا ہے تو پھر بیچ میں تم کون ہو دخل دینے والے۔ مدعی سُست، گواہ چست والی بات ہے۔

اسی طرح وہ قیامت کا مذاق اُڑاتے ۔۔۔ بڑے ڈرامائی انداز میں دریافت کرتے کہ ذرا یہ تو فرمایئے کہ یہ حادثہ کب واقع ہونے والا ہے؟ متی هذا الوعد؟ پوچھا تا

بتا دیجیے کہ اس اعلان کو کب پورا ہونا ہے؟ یا ان مرشها۔ قیامت کب تک آ پہنچنے والی ہے۔ کیا کوئی تاریخ اور کوئی گھڑی معین نہیں ہوئی؟

ان چند مثالوں سے جن کی تفصیل قرآن وحدیث اور سیرت وتاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ اندازہ کیجیے کہ دنیا کے سب سے بڑے محسن اور انسانیت کے عظیم ترین خیرخواہ کو کیسی فضا سے سابقہ آپڑا تھا۔ نہایت گھٹیا مذاق کے لوگ چاروں طرف سے طعنہ آمیز اسلوب کے ساتھ نکتے چھانٹ رہے ہیں۔ مناظرانہ انداز سے سوال گھڑ گھڑ کر ڈال رہے ہیں اور آنحضورؐ ہیں کہ مین میخ نکالنے والوں کے ہجوم میں نہایت ہی شریفانہ اور مہذب اور ٹھنڈے اور سنجیدہ انداز سے اپنی دعوت پر استدلال کر رہے ہیں، جواباً کوئی مذاق نہیں کرتے، طعنے نہیں دیتے، مناظرانہ رنگ اختیار نہیں

کرتے، برافروختہ نہیں ہوتے لیکن ایک لمحے کے لیے استدلال کا محاذ اور دعوت کا میدان چھوڑ کر پیچھے بھی نہیں ہٹتے!

استہزا اور کٹ حجتیوں کے اس طوفان سے گزرتے ہوئے آنحضورؐ پر نفسیاتی کرب کے جو لمحے گزرے ہیں اور جس طرح آپ گھٹتے اور کڑھتے ہیں، ان سارے احوال کا قرآن میں پورا پورا عکس ملتا ہے۔ عالم بالا کی طرف سے یقین دہانی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلمات سے خود سامانِ تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ساتھ اس مرحلے سے گزرنے کے لیے بار بار ہدایات دی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک جامع ہدایت یہ آئی کہ خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین ۔(الاعراف۔۱۹۹) یعنی اعصاب کو جھنجھوڑ دینے والے اور دل و جگر کو چھید ڈالنے

والے اس دور کے لیے آنحضورؐ کو تین تقاضوں کا پابند کر دیا گیا۔ ایک یہ کہ بدزبانیوں سے بے نیازی کا طریقہ اختیار کیا جائے، ان کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ حق بات کہنے کی ذمہ داری ہر حال میں پوری کی جائے گی۔ تیسرے یہ کہ کمینہ اور بد اخلاق اور جہالت زدہ اشخاص کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں!

اور قرآن اور تاریخ دونوں گواہ ہیں کہ آنحضورؐ نے ان ہدایات کی حدود سے بال برابر تجاوز کیے بغیر یہ پورا دور گزار دیا، اپنی جان گھلائی اور اپنے سینے میں گھٹن محسوس کی **فلعلک باخع نفسک** (ہود۔۱۲) لیکن نہ اپنی زبان میں کوئی بگاڑ آنے دیا اور نہ اپنے داعیانہ کردار کی بلندی میں فرق آنے دیا۔ نہ استدلال کی سنجیدگی میں کمی گوارا کی!۔۔۔ خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ آپ کی روحِ پُر انوار

Source: www.prophetmuhammadforall.org

اور آپؐ کے متبعین پر! یوں ان کت چینیوں میں جہاں کہیں کوئی استدلال ۔۔۔ خواہ وہ تیسرے درجے کا کیوں نہ ہو ۔۔۔ پایا گیا۔ اس کا آپؐ کی زبان سے وحی الٰہی نے پورا قلع قمع کر کے چھوڑا۔

دلائل

استہزا، دشنام طرازیوں اور کت چینیوں کے حملوں کے دوران میں کبھی کبھی قریش کو سوچ بچار سے کوئی عقلی قسم کی دلیل بھی ہاتھ آجاتی تھی، مگر ایسے عقلی استدلال کا تناسب پورے ہنگامۂ مخالفت میں آٹے میں نمک کا تناسب رکھتا تھا چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کب بتوں کو خداوند تعالیٰ کے مقام پر رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ

جن بزرگوں کی ارواح کے مظہر ہیں وہ اللہ کے دربار میں ہمارے لیے سفارش کرنے والے ہیں، اور ان بتوں کے آگے سجدہ و قربانی کر کے ہم صرف اللہ کے حضور تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے نزدیک زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے کوئی اور عالم پیش آنے والا نہیں ہے اور نہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا جانے والا ہے۔ پھر آخر ہم ایک ایسے دین کو کیونکر تسلیم کریں جو کسی دوسری دنیا کا تصور دلا کر اس دنیا کے مفاد اور اس کی دلچسپیوں سے ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم دعوتِ محمدی کو مان لیں اور موجودہ مذہبی و معاشرتی نظام کو ٹوٹ جانے دیں اور اپنے قائم شدہ تسلط کو اٹھا لیں تو پھر تو ہم میں

سے ایک ایک شخص کو دن دہاڑے چن چن کر اُچک لیا جائے

گا۔ نتخطف من ارضنا (القصص۔۵۷)

یہ دو تین مثالیں اس امر واقعہ کو عرض کرنے کے لیے مجملاً لے لی گئی ہیں، کہ شرارتوں اور خباثتوں کے بیچ میں وہ کچھ نہ کچھ دلیل بازی بھی کرتے جاتے تھے لیکن اس دلیل بازی کا تار تار قرآن الگ کر کے دکھا دیتا تھا اور اس کی ہر موقع پر دھجیاں اُڑتی رہتی تھیں۔

غنڈہ گردی

استہزاء، القاب طرازی اور گالم گلوچ کی یہ مہم قریش کے جنونِ مخالفت کے تیز ہونے کے ساتھ ساتھ غنڈہ گردی کا رنگ اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔ مثنی شرارت کے علمبردار جب تضحیک و دشنام کو ناکام ہوتے دیکھتے ہیں تو پھر ان کا اگلا

قدم ہمیشہ غنڈہ گردی ہوتا ہے۔ مکہ والوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے کے لیے وہ کمینہ حرکتیں کی ہیں کہ صاحب رسالت کے علاوہ کوئی اور داعی ہوتا تو بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے باوجود اس کی ہمت ٹوٹ جاتی اور وہ قوم سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتا لیکن رسول خدا کی شرافت اور سنجیدگی غنڈہ گردی کے چڑھے ہوئے دریا میں سے بھی پاکی دامن کو کنول کی طرح صحیح سلامت لیے آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

وہ حرکات جو بالکل روزمرہ کا معمول بن گئیں یہ تھیں کہ آپ کے محلہ دار اور پڑوسی جو بڑے بڑے سردار تھے بڑے اہتمام سے آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت شور مچاتے اور ہنسی اڑاتے۔ عین حالت سجدہ میں اوجھڑیاں لا کے ڈالتے۔ چادر کو لپیٹ کر گلا

گھونٹتے، محلے کے لونڈوں کو پیچھے لگا دیتے کہ تالیاں پیٹیں اور غوغا کریں۔ قرآن پڑھنے کی حالت میں آپ کو اور قرآن کو اور خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتے۔

اس معاملے میں ابولہب کے ساتھ ساتھ بیگم ابولہب بہت پیش پیش تھی۔ وہ بلا ناغہ کئی سال تک آپ کے راستے میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ اور کانٹے جمع کر کے ڈالا کرتی تھی اور آنحضور روزانہ بڑی محنت سے راستہ صاف کرتے۔ آپ کو اس کمبخت نے اس درجہ پریشان رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسکین کے لیے یہ خوشخبری سنائی کہ مخالف محاذ کی اس لیڈرہ کے شوہر نامدار کے ایذا رساں ہاتھ ٹوٹ جانے والے ہیں اور خود یہ بیگم صاحبہ بھی دوزخ کے حوالے ہونے والی ہیں۔

ایک مرتبہ حرم میں خدا کا رسول مصروف نماز تھا کہ

عقبہ بن معیط نے چادر آپؐ کے گلے میں ڈالی اور اسے خوب مروڑ کر گلا گھونٹا۔ یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ (سیرت النبیؐ۔ علامہ شبلی، جلد ا ص ۱۶۴) اس شخص نے ایک مرتبہ حالت نماز میں آپؐ پر اوجھڑی ڈالی تھی۔

ایک مرتبہ آپؐ راستہ چلتے جا رہے تھے کہ کسی شقی نے سر پر مٹی ڈال دی۔ اسی حالت میں یہ مجسمہ صبر و استقامت چپ چاپ گھر پہنچا۔ معصوم بچی فاطمہؓ نے دیکھا تو آپؐ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ مارے غم کے روتی جاتی تھیں۔ آپؐ نے اس ننھی سی جان کو تسلی دی کہ ''جانِ پدر روؤ نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائے گا۔ (سیرت النبیؐ۔ علامہ شبلی، جلد ا ص ۱۸۴)

ایک اور مرتبہ آپؐ حرم میں مصروف نماز تھے کہ ابوجہل اور چند اور روٴسائے قریش کو توجہ ہوئی۔ ابوجہل کہنے

لگا ''کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھالاتا، تا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جاتا تو اس کی گردن پر ڈال دیتا۔'' عقبہ نے کہا کہ یہ خدمت انجام دینے کے لیے بندہ حاضر ہے۔ اوجھ لائی گئی۔ ان بزرگوں کے ذوقِ غنڈہ گردی نے واقعی اسے آپؐ کے اوپر حالتِ سجدہ میں ڈال کر دم لیا۔ اب ٹھٹھے مار کر ہنسی اُڑائی جارہی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ دوڑی آئیں اور پاکباز باپ کی معصوم بچی نے وہ سارا بارِ غلاظت آپؐ کے اوپر سے ہٹایا۔ ساتھ ساتھ عقبہ کو بددعائیں بھی دیتی جاتی تھیں۔ (سیرت النبیؐ۔ علامہ شبلی، جلد ا ص ۱۸۶)

یہ تھا جواب اس خیرخواہانہ نصیحت کا کہ ایک خدا کو مانو، راستی اور انصاف پر چلو، یتیموں اور مسافروں کی سرپرستی کرو!

کانٹے بچھا کر چاہا گیا کہ تحریک حق کا راستہ رُک جائے!

گندگی پھینک کر کوشش کی گئی کہ توحید اور حسنِ اخلاق کے پیغام کی پاکیزگی کو ختم کر دیا جائے۔ آنحضورؐ کو بوجھ تلے دبا کر یہ توقع کی گئی کہ بس اب سچائی سر نہ اُٹھا سکے گی!

آپؐ کا گلا گھونٹ کر یہ خیال کیا گیا کہ بس اب وحی الٰہی کی آواز بند ہو جائے گی۔ کانٹوں سے جس کی تواضع کی گئی وہ برابر پھول برساتا رہا! گندگی جس کے اوپر اُچھالی گئی وہ معاشرے پر مسلسل مُشک و عنبر چھڑکتا رہا۔ جس پر بوجھ ڈالے گئے وہ انسانیت کے کندھے سے باطل کے بوجھ کو متواتر اتارتا رہا۔ جس کی گردن گھونٹی گئی، وہ تہذیب کی گردن کو رسمیات کے پھندوں سے نجات دلانے میں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

مصروف رہا!

غنڈہ گردی ایک ثانیہ کے لیے بھی ٹھوس شرافت کا راستہ نہ روک سکی! اور شرافت اگر واقع میں ٹھوس اور عزیمت مند ہو تو تاریخ انسانی کے اٹل قوانین مقابلے میں آنے والی شدید سے شدید غنڈہ گردی کا سر نیچے کر دیتے ہیں۔

حمایتوں کو توڑنے کی کوششیں

دعوت حق کے مخالفین جب پانی سر سے گزرتا دیکھتے ہیں تو ایک مہم یہ شروع کرتے ہیں کہ تحریک یا اس کے قائد اور علمبرداروں کو سوسائٹی میں ہر قسم کی موثر حمایت و ہمدردی سے محروم کرا دیا جائے۔ براہ راست اثر نہ ڈالا جا سکے تو بالواسطہ طریق سے دباؤ ڈال کر تبدیلی کے سپاہیوں کو بے بس کر دیا جائے۔

اہل مکہ حضورؐ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے لیکن ڈرتے اس بات سے تھے کہ قبائلی عصبیت کے تحت خونریزی کی ایسی آگ بھڑک اُٹھے گی کہ کسی کے روکے نہ رُک سکے گی اور ماضی قریب میں ایک ہمہ گیر جنگ ان کو ایسا جھنجھوڑ چکی تھی کہ وہ ایسی ایک اور جنگ کے لیے تیار نہ تھے۔ بیچ میں ایک بیچ اور بھی آپڑا تھا۔ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے درمیان پرانی رقابت تھی۔ بنو امیہ کے سردار۔۔۔ بالخصوص ابولہب ہرگز اس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ بنو ہاشم کے گھرانے کے ایک شخص کی نبوت چلے اور اس طرح ان کا سکہ رواں ہو جائے۔ چنانچہ بنو ہاشم نے ایک دوبار یہ ارادہ کیا بھی کہ محمدؐ ہمارے ہیں اور ان کی بڑائی اور ان کے دین کا فروغ ہمارے ہی لیے موجب خیر و برکت ہوگا۔ لہٰذا کیوں نہ ہم کھل کر ساتھ دیں، مگر بنو امیہ کے لیڈروں نے ان کو اس

ارادے سے ہمیشہ باز رکھنے پر زور صرف کیا۔ بنو ہاشم مثبت طور پر تو کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے ایک فرد پر ہاتھ اُٹھانا بہرحال سہل نہ تھا، تاوقتیکہ وہ اس کو اپنے دائرے سے نکال نہ دیں۔ ادھر داعی حق اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں تھا اور یہ سرپرستی جب تک قائم تھی گویا پورے ہاشمی قبیلے کی عصبیت آنحضورؐ کے ساتھ تھی۔ مخالفین دعوت نے اب پورا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ کسی طرح ابو طالب پر دباؤ ڈال کر آنحضورؐ کو اس کی سرپرستی سے محروم کرایا جائے۔ دباؤ ڈالنے کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ مگر مخالفین کو ہر بار ناکامی ہوئی۔

ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب، ابوالبختری، اسود بن عبدالمطلب، ابوجہل، ولید بن المغیرہ، حجاج بن عامر کے دونوں بیٹے نبیہ منبہ اور عاص

بن وائل جیسے اکابرین کا ایک زوردار وفد آنحضورؐ کے چچا کے پاس پہنچتا ہے۔ یہ لوگ اپنا مدعا یوں بیان کرتے ہیں:

''اے ابوطالب! تیرا بھتیجا ہمارے خداوندوں اور ہمارے ٹھاکروں کو گالیاں دیتا ہے۔ ہمارے مذہب میں عیب چھانٹتا ہے، ہمارے بزرگوں کو احمق کہتا ہے اور ہمارے اسلاف کو گمراہ شمار کرتا ہے، اب یا تو تم اس کو ہمارے خلاف ایسی زیادتیاں کرنے سے روکو یا ہمارے اور اس کے درمیان سے تم نکل جاؤ کیونکہ تم بھی (عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے) ہماری طرح اس کے خلاف ہو۔ اس کی جگہ ہم تمہارے لیے کافی ہوں گے'' (ابن ہشام جلد ا ص ۲۷۷)

ابوطالب نے ساری گفتگو ٹھنڈے دل سے سنی اور نرمی سے سمجھا بجھا کر معاملہ ٹال دیا، اور وفد کو رخصت کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے مشن کی

خدمت میں لگے رہے اور قریش پیچ و تاب کھاتے رہے۔

اہلِ وفد کی اس تقریر کو غور سے پڑھئے۔ اس میں بڑی گہری جذباتیت پائی جاتی ہے۔ اس میں بڑی زوردار اپیل ہے اور خاص بات یہ کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مخالفین حق نے عوامی ماحول میں اشتعال پیدا کرنے کا خاص اہتمام رکھا تھا۔ ایسے نعرے اور الزامات بہم پہنچا لئے تھے کہ جنہیں سنتے ہی عام لوگ آپے سے باہر ہو جائیں اور رسول اللہؐ کے خلاف ایک حالتِ اشتعال میں مبتلا ہو جائیں۔ تاریخ مذہبیات میں جب بھی حق کے خلاف محاذ کھڑا کیا گیا ہے تو لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے کے لیے چند مغالطہ آمیز تاثرات ان کو ضرور دیئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ تمہاری عقیدتوں کو مجروح کیا جا رہا ہے اور تمہارے محبوبوں کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ دوسرے یہ کہ

قدیمی اور آبائی مذہب میں نقائص چھانٹے جارہے ہیں۔

تیسرے یہ کہ بزرگوں اور اسلاف کی توہین کی جارہی ہے؟

اشتعال پیدا کرنے کے یہ حربے تھے جن کو مکہ کے کفار و مشرکین میدان میں لا چکے تھے۔ آنحضورؐ کے الہامی پیغام میں اگرچہ کبھی معبودانِ قریش کو گالی نہیں دی گئی لیکن ان کو معبود بنانے کے خلاف جو کچھ استدلال کیا گیا اسے پروپیگنڈے کے رنگ میں رنگ کر گالیوں کا عنوان قرار دیا۔ آنحضورؐ نے قوم کے سامنے ان کے بزرگوں اور اسلاف کی توہین نہیں کی۔ صرف یہ کہا کہ کسی چیز کو محض اس بنا پر سینے سے لگائے رکھنا کہ وہ پہلے سے چلی آرہی ہے کوئی معقول روش نہیں ہے۔ لیکن بدگمانی کے تیزاب میں غوطہ کھا کر یہ چیز توہینِ اسلاف کے نعرے میں ڈھل گئی۔ اسی طرح آنحضورؐ

نے توحید کی صداقت اور شرک کے بطلان میں جو جو کچھ
استدلال کیا اور مخالفین ہی کی طرف سے سوالات و جوابات
اُٹھائے جانے پر مروجہ مذہبیت کے بارے میں جو جو تبصرہ کیا
وہ قدیمی مذہبیت میں عیب چھانٹنے کی بنیاد بنا۔ یعنی، ایک
اور وفد آتا ہے اور پھر وہی رونا رویا جاتا ہے:

''اے ابو طالب! تم ہمارے درمیان عمر، شرف اور
قدر و قیمت کے لحاظ سے ایک بڑا درجہ رکھتے ہو۔ ہم نے
مطالبہ کیا تھا کہ اپنے بھتیجے سے ہمیں بچاؤ لیکن تم نے یہ نہیں
کیا، اور خدا کی قسم جس طرح ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی
جارہی ہیں، جس طرح ہمارے بزرگوں کو احمق قرار دیا جارہا
ہے، اور جس طرح ہمارے معبودوں پر حرف گیری کی جارہی
ہے اسے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔ الا آنکہ تم اسے باز
رکھو، یا پھر ہم اس سے بھی اور تم سے بھی لڑیں گے۔ یہاں

تک کہ ایک فریق کا خاتمہ ہو جائے'' (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۷۸)

ابو طالب نے آنحضورؐ کو بُلایا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر لجاجت سے کہا کہ بھتیجے! مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کا اُٹھانا میرے بس سے باہر ہو۔ اب ایسی صورت آ گئی تھی کہ پاؤں جمانے کے لیے سہارے کا جو ایک پتھر حاصل تھا وہ بھی متزلزل ہوا جاتا تھا۔ بظاہر تحریک کے لیے ایک انتہائی خطرناک لمحہ آ گیا تھا لیکن دوسری طرف دیکھئے اس جذبۂ صادقہ اور اس عزیمت مجاہدانہ کو کہ جس سے سرشار ہو کر آنحضورؐ یہ جواب دیتے ہیں:

''چچا جان! خدا کی قسم۔ یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر چاہیں کہ اس مشن کو چھوڑ دوں، تو میں اس سے باز نہیں آ سکتا، یہاں تک کہ یا

تو اللہ تعالیٰ اس مشن کو غالب کر دے یا میں اسی جدوجہد میں ختم ہو جاؤں'' (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۷۸)

یہاں وہ اصلی طاقت بول رہی ہے جو تاریخ کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے اور مزاحمتوں اور شرارتوں کو کچلتی ہوئی اپنے نصب العین تک جا پہنچتی ہے۔ افسوس کہ قریش اسی طاقت کا راز نہ پا سکے! ابوطالب اسی طاقت کی سحر آفرینی سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ '' بھتیجے جاؤ جو کچھ تمہیں پسند ہے اس کی دعوت دو، میں کسی چیز کی وجہ سے تم کو نہیں چھوڑوں گا۔''

ایک اور وفد عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر پھر آتا ہے۔ اب کی یہ لوگ ایک اور ہی منصوبے کے ساتھ آتے ہیں۔ ابوطالب سے کہتے ہیں کہ دیکھئے یہ عمارہ بن ولید ہے جو قریش میں سے ایک مضبوط اور خوبصورت ترین جوان

ہے، اسے لے لیجئے۔ اس کی عقل اور اس کی طاقت آپ

کے کام آئے گی۔ اسے اپنا بیٹا بنا لیجئے اور اس کے عوض

محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیجئے، جس نے آپ کے اور

آپ کے آبا و اجداد کے دین کی مخالفت شروع کر رکھی ہے

اور آپ کی قوم کا شیرازہ درہم برہم کر دیا ہے اور ان کے

بزرگوں کو احمق ٹھہرایا ہے اسے ہم قتل کر دینا چاہتے ہیں۔

سیدھا سیدھا ایک آدمی کے بدلے میں ہم ایک آدمی آپ

کو دیتے ہیں" (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۷۹)

دیکھئے ذرا ان لوگوں کا طرز فکر! گویا محمدؐ جیسی

عظیم ہستی کوئی مال تجارت بنا رکھی تھی، کوئی جنس تبادلہ تھی اور

ابو طالب آپؐ کے چچا نہ تھے کوئی سوداگر تھے۔ وفد کی گفتگو

سن کر یقیناً ابو طالب کے جذبات کو بڑی چوٹ لگی اور کہا کہ

تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے کو تو میں لے کر پالوں

پوسوں اور میرے بیٹے کو تم تلوار کے نیچے سے گزار دو۔ ابد تک ایسا نہیں ہوسکتا۔ معاملہ بڑھ گیا۔ کشمکش کی فضا گرم تر ہوگئی اور خود وفد کے اتفاق رائے کا رشتہ ٹوٹ گیا۔

اب قریش نے آنحضور صلعم کے رفقاء پر سختیاں کرنے کے لیے ان تمام قبائل کو اُکسانا شروع کیا جن میں تحریک اسلامی کا کوئی فرد پایا جاتا تھا۔ ظلم ڈھائے جانے لگے، اسلام سے ہٹانے کے لیے استبداد سے کام لیا جانے لگا لیکن اللہ نے اپنے رسول کو ابوطالب کی آڑ کھڑی کر کے بچا رکھا تھا۔ ابوطالب نے قریش کے بگڑے تیور دیکھ کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سامنے آنحضورؐ کی پشت پناہی کے لیے اپیل کی۔ لوگ جمع ہوئے اور حمایت محمدؐ کے لیے تیار ہوگئے مگر ابولہب نے سخت مخالفت کی اور بات طے نہ ہوسکی۔

آگے چل کر جب تحریکِ حق نے مخالفین کی صفوں

میں حمزہ اور عمر جیسی دو ہستیاں چھین لیں تو پیچ و تاب کی نئی لہر

اُٹھی۔ محسوس کیا گیا کہ محمدؐ کی چلائی ہوئی ہوا تو اب گھر گھر

میں نکہت پاش ہو رہی ہے، کچھ کرنا چاہیے۔ ابو طالب کی

بیماری کی حالت میں یہ لوگ پھر پہنچے۔ اب کی اسکیم یہ تھی کہ

معاہدہ ہو جائے۔ وفد نے کہا کہ "جو کچھ صورتِ حالات ہے

اسے آپ جانتے ہیں۔ اپنے بھتیجے کو بلوایئے اس کے

بارے میں ہم سے عہد لیجئے اور ہمارے بارے میں اس کا

عہد دلوایئے۔ وہ ہم سے باز رہے ہم اس سے باز رہیں۔

وہ ہم سے اور ہمارے مذہب سے واسطہ نہ رکھے ہم اس سے

اور اس کے مذہب سے واسطہ نہیں رکھیں گے۔" رسولؐ

پاک بلوائے جاتے ہیں، بات ہوتی ہے اور آپ سارا

مطالبہ سننے کے بعد جواب دیتے ہیں "کلمۃ واحدۃ

تعطو بنها تملکون بها العرب، وتدین بکم بها العجم" یعنی اے اشرافِ قریش میرے اس کلمہ کو مان لو تو پھر عرب و عجم سب تمہارے زیرِ نگیں ہوں گے۔

ذرا تصور میں لائیے! جان لیوا ماحول کو، کلبلاتی ہوئی شرارتوں اور مخالفتوں سے بھری ہوئی فضا کو، اور پھر سوچئے کہ آنحضور صلعم کو اپنی دعوت کے زور سے اس کے ممکنات کا کتنا گہرا شعور و یقین تھا۔ گویا اندھیری رات میں کھڑے آپ قطعیت سے فرما رہے تھے کہ ابھی سورج نکلنے والا ہے۔ پھر یہ نوٹ کیجئے کہ اپنے کلمہ کا صرف مذہبی نہیں بلکہ سیاسی و اجتماعی پہلو بھی آپؐ کے سامنے تھا۔

ابوجہل نے تنک کر کہا "ہاں! تیرے باپ کی قسم! ایک کیوں، دس کلمے چلیں گے!"

کوئی دوسرا بولا ''یہ شخص تو خدا کی قسم تمہاری مرضی کی کوئی بات مان کر دینے کا نہیں ہے۔'' (ابن ہشام جلد۲ ص ۲۶۔۲۷)

اس کے بعد یہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ لیکن اس وفد کی گفتگو نے چند حقیقتوں کو نمایاں کر دیا۔ ایک یہ کہ اب تحریک اسلامی کو وہ ایک ایسی طاقت ماننے پر مجبور ہو گئے تھے جس کو اکھیڑنے کی سعی رائگاں سے زیادہ بہتر سمجھوتہ کی کوئی راہ نکالنا تھا۔ دوسرے یہ کہ قریش ساری شرارتوں اور زیادتیوں کو آزمانے کے بعد اپنی بے بسی کو محسوس کر رہے تھے۔

یہ تو وہ معاملہ تھا جو داعیٔ تحریک صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھا۔ آپؐ کے رفقاء میں سے بھی جو کوئی کسی کے سایۂ حمایت میں تھا اسے بھی اس حمایت سے محروم کرانے کی

مساعی اسی طرح کی گئیں۔

مثلاً حضرت ابوسلمہ بھی ابوطالب کی امان میں تھے۔ بنومخزوم کے لوگ آئے اور انہوں نے کہا ''اے ابوطالب! تم نے بھتیجے کو تو خیر ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن اب تو معاملہ خود ہمارے آدمی کا ہے، اس کو روکنے کا تمہیں کیا حق ہے؟ ابوطالب کہنے لگے کہ وہ میرا بھانجا ہے اور اس نے میری حمایت طلب کی ہے تم اس پر زیادتی کرتے ہو اور ظلم ڈھانے سے کسی لمحے باز نہیں آتے، خدا کی قسم، یا تو تم لوگ اس سے باز رہو ورنہ جہاں یہ کھڑا ہوگا ہم اس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

اسی طرح ہجرتِ حبشہ کے بعد ایک بار ابوبکرؓ مکہ کی گھاٹی سے تک آ کر نکل کھڑے ہوئے کچھ دور پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ پوچھنے پر اسے جب آپ

کے ارادۂ ہجرت کا حال معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ آپ جیسے آدمی کا یوں نکل جانا مجھے گوارا نہیں۔ جو مصیبتوں میں قرابت داروں کے کام آتا ہے، بھوکوں کو کھانا اور ننگوں کو لباس بہم پہنچاتا ہے، نیک کام کرتا ہے اور دوسروں کو کما کر دیتا ہے، اپنی امان میں وہ حضرتِ صدیقؓ کو واپس لے آیا اور قریش کے سامنے لا کر اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ میری حفاظت میں ہیں۔ آپ کا معمول ہو گیا کہ اپنی مسجد میں جو گھر کے دروازے کے سامنے بنا رکھی تھی بڑی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کرتے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے۔ اس سے ہر سننے والے پر اثر پڑتا تھا۔ قریش ابن الدغنہ کے پاس پہنچے اور فریاد کی کہ تم نے ابوبکرؓ کو پناہ کیا دی، ہماری تو شامت آ گئی ہے۔ وہ خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہیں اور ہماری عورتیں اور بچے اور کمزور طبیعت کے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

تم پناہ اُٹھا لو تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں کریں۔ ابن الدغنہ نے اس دباؤ کے زیر اثر آپ سے آکر گلہ کیا کہ میں نے پناہ اس لیے نہیں دی تھی کہ آپ لوگوں کو ستائیں۔ آپ نے پناہ واپس کر دی۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۹۵۔۳۹۶)

منظم منفی محاذ

انسانِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) اولادِ آدم کی جس سب سے بڑی خدمت میں مصروف تھا اس کو ناکام بنانے کے لیے مخالفین جن مختلف تدبیروں سے کام لے رہے تھے ان سب کے علی الرغم دعوت کا کام جاری تھا اور کلمۂ حق کونپلیں نکال رہا تھا۔ اندریں حالات مخالفانہ پروپیگنڈہ کی ایک متحرک مشینری پیدا کی گئی۔ مکہ کے بعض قائدین اعلیٰ

آنحضور صلعم کے ساتھ رہنے لگے۔ بڑی پیچیدگی یہ تھی کہ مکہ مرکزِ عرب تھا اور ہر طرف سے قافلے آتے جاتے اور داعیٔ حق کے لیے کام کا نت نیا میدان فراہم کرتے۔ سردارانِ مکہ کی جو دھونس خود باشندگان مکہ پر چلتی تھی وہ باہر سے آنے والوں پر نہیں چل سکتی تھی۔ نیز نو واردوں میں ایسے ذہین اور صاف فطرت لوگ بھی ہوتے تھے جو کسی دعوت کو محض اس کی استدلالی قدر و قیمت اور کسی داعی کو محض اس کے کردار کی وزن کے لحاظ سے جانچ کر بغیر کسی تعصب اور بغیر کسی عناد کی پرچھائیں قبول کیے آزادانہ رائے قائم کر سکتے تھے۔ تحریک محمدیؐ کے خلاف ان کے دلوں میں کوئی حاسدانہ چھالے موجود نہیں تھے۔ اندریں حالات مکہ کو بچا لینا بالکل بے کار تھا۔ جب کہ باہر کا عربی ماحول دعوتِ حق سے متاثر ہوتا چلا جائے۔ وہی بات جسے قرآن نے خود ہی کہہ دیا کہ "نحن

تاتی الارض ننقصہا من اطرافہا" چنانچہ سب سے

تشویش ناک موقع اس پہلو کے لحاظ سے حج کا تھا۔ قبائل

عرب جوق در جوق مع اپنے سرداروں کے مکہ میں اکٹھے

ہوتے اور نبی اکرمؐ اپنا پیغام پھیلانے کے لیے خیمہ بہ خیمہ

گردش میں مصروف ہو جاتے۔ ردِّعمل منفی ہنگامہ کے سربراہ

کار اس وقت بہت سٹپٹاتے تھے۔ چنانچہ ایک سال موسمِ حج

کی آمد آمد تھی کہ ولید بن مغیرہ کے ہاں قریشانِ کرام جمع

ہوئے اور سر جوڑ کر سوچ بچار میں مصروف ہو گئے۔ ولید نے

معاملہ کو یوں چھیڑا۔

"اے گروہِ قریش! یہ موسم آپہنچا ہے۔ عرب کے

وفود اس زمانے میں تمہارے ہاں آئیں گے اور صورت

حالات یہ ہے کہ وہ سب تمہارے اس آدمی (نبی اکرمؐ) کا

قصہ سن چکے ہیں (اس لیے وہ ایک ذوقِ تجسس و تحقیق لے

کر آئیں گے) سو اب تم اس معاملہ میں کوئی ایک بات طے کرلو اور پھر باہم اختلاف نہ کرو کہ ایک دوسرے کو جھٹلاتا پھرے اور دوسرا پہلے کی بات کاٹتا رہے"۔ (ابن ہشام جلد۱ ص۲۸۳)

حاضرین نے کہا:

"تم ہی کہو اے ابوعبد شمس! کہو اور ہمارے لیے کوئی رائے متعین کردو۔ ہم اسی کے مطابق بات کریں گے۔"

مگر ولید بن مغیرہ نے اصرار کیا کہ آپ لوگ خود ہی بات کریں میں سنوں گا۔ سو سلسلۂ گفتگو چل پڑا۔

حاضرین: "ہم تو کہتے ہیں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہے۔"

ولید : ''نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ سو اس کے ہاں نہ تو کاہنوں کا سا رمزیہ کلام ہے نہ قافیہ آرائی۔''

حاضرین : ''تو پھر ہم کہیں گے کہ وہ آسیب زدہ ہے۔''

ولید : ''وہ آسیب زدہ بھی نہیں ہے۔ ہم آسیب کو جانتے پہچانتے ہیں۔ مگر یہاں نہ تو اس طرح سے حلق کی گھلن ہے، نہ اعضا میں رعشہ، نہ ویسی پریشان خیالی!''

حاضرین : ''اچھا تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔''

ولید : ''وہ شاعر بھی تو نہیں ہے۔ ہم شعر کو اس کی ہر قسم کے لحاظ سے جانتے ہیں۔ اس میں سے رجز کو، ہزج

Source: www.prophetmuhammadforall.org

کو، قریض کو، مقبوض کو، مبسوط کو (بحروں کے لحاظ سے اقسامِ شعر) سو وہ (صلعم) شاعر نہیں ہے۔''

حاضرین: ''تو پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ جادوگر ہیں۔''

ولید: ''جی نہیں۔ وہ جادوگر بھی نہیں! ہم نے جادوگروں کو بھی اور ان کے جادو کو بھی دیکھ رکھا ہے۔ سو اس (صلعم) کے ہاں نہ گنڈے ہیں نہ پھونکیں!''

حاضرین: ''تو اے ابوعبد شمس! تم ہی بتاؤ کہ ہم اس کے خلاف (پروپیگنڈہ کا طوفان اُٹھانے کے لیے) کہیں کیا؟''

ولید: ''خدا کی قسم اس کی بات میں بڑی مٹھاس ہے اور بات کی جڑ بڑا پھیلاؤ رکھتی ہے۔ اس کی شاخیں

Source: www.prophetmuhammadforall.org

بار دار ہیں ۔ مستدرک کی روایت میں اتنا اور آتا ہے کہ ''یہ پیغام غالب ہوگا، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکے گا اور یہ سب کو کچل ڈالے گا'' (سیرت المصطفےٰ از مولانا ادریس کاندھلوی جلد ا ص ۱۵۲) اپنی کہی ہوئی باتوں میں سے تم جو بھی کہو گے لایعنی قرار دی جائے گی ۔ بس اس کے بارے میں ان میں سے لگتی ہوئی بات بس ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ تم کہو کہ یہ ایک جادوگر ہے جس کا کلام جادو ہے اور اس سے بیٹے اور باپ میں، شوہر اور بیوی میں، بھائی اور بھائی میں، ایک شخص اور اس کے قبیلے میں جدائی ڈالی جا رہی ہے (اشارہ ہے دعوتِ حق کی طرف کہ اس کی وجہ سے ہر طرف پھوٹ پڑ گئی ہے اور دو طاقتیں برسرِ کشمکش ہیں ۔ حالانکہ اس کشمکش کا اصل محرک خود مخالفینِ حق کی شرارت تھی) اور کہو کہ لوگ اسی بنا پر اس سے کٹ گئے ہیں ۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۸۴ ۔

دیکھئے کہ کس طرح ایک شخص کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے لیے سازش کی جاتی ہے، دل جس بات کو نہیں مانتے، اسی کو لے کر مخالفانہ ہنگامہ جاری رکھنے کی اسکیم بنتی ہے۔ چنانچہ اس مجلس میں طے ہو گیا کہ مختلف پارٹیاں مکہ کو آنے والے راستوں پر چوکیاں لگا دیں اور آنے والے ہر وفد کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کی دعوت کے بارے میں چوکنا کر دیں۔ چنانچہ اسی منصوبہ پر عمل کیا گیا لیکن نتیجہ اُلٹا ہوا۔ آنحضورؐ کا چرچا عرب کے کونے کونے تک پھیل گیا اور جن کو کچھ نہیں معلوم تھا ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ ایک نئی دعوت ایسی اور ایسی اٹھی ہے اور اس کی علمبردار شخصیت محمدؐ کی ہے۔

آیئے، ذرا تاریخ کے اسکرین پر داعی حق اور ردِ عمل

کی تحریک کے لیڈروں کو میدان میں کام کرتے ہوئے دیکھئے!

ربیعہ بن عبادہ کا بیان ہے کہ ''میں منا میں اپنے باپ دادا کے ساتھ موجود تھا جبکہ میں ایک نوخیز لڑکا تھا اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی قبیلوں کی اقامت گاہوں میں جا جا کر رُکتے اور فرماتے ۔'' اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ اور کسی کو شریک نہ گردانو، اور اس کے علاوہ ان بتوں میں سے جس جس کی بھی عبادت کر رہے ہو اس سے الگ ہو جاؤ اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو اور میری حمایت کرو۔ یہاں تک کہ میں اللہ کی طرف سے ساری بات کھول کر رکھ دوں جس کے ساتھ اس نے مجھے مامور کیا ہے۔

واقعہ کار پورٹر کہتا ہے کہ ایک شخص عدنی حلہ اوڑھے آنحضورؐ کے ساتھ ساتھ لگا تھا۔ جب رسول اللہؐ اپنی بات فرما چکتے تو یہ شخص اپنی ہانکنا شروع کر دیتا کہ: اے بنی فلاں! یہ شخص کو تم کو لات وعزیٰ سے ہٹا کر بدعت وگمراہی کی دعوت کی طرف کھینچ لے جانا چاہتا ہے۔ پس نہ اس کی سنو نہ اس کی بات مانو۔''

وہ نوجوان یہ منظر دیکھ کر اپنے باپ سے پوچھتا ہے کہ کون ہے جو آنحضورؐ کے پیچھے لگا ہوا ہے اور آپ کی بات کی تردید کر رہا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ یہ آپؐ کا اپنا ہی چچا ابولہب ہے۔

نبیٔ اکرمؐ حج کے میلوں کے اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے، تاکہ انسانی اجتماع سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک مرتبہ بازار ذوالمجاز میں پہنچے اور لوگوں کو حق کا

پیغام سنا کر کلمۂ طیبہ کی دعوت دی۔ ابوجہل ساتھ لگا تھا۔ کمبخت کو بغض و کینہ نے اتنا پست کر دیا تھا کہ مٹی اٹھا اٹھا کر آپؐ پر پھینکتا اور ساتھ ساتھ پکارتا کہ لوگو! اس کے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔ (سیرت النبی شبلی نعمانی جلد اول ص ۲۳۷)

مخالفانہ پروپیگنڈے کی اس طوفانی مہم سے ابوطالب کو تشویش بھی لاحق ہوئی کہ کہیں عرب کے عوام اجتماعی مخالفت پر نہ اتر آئیں۔ انہوں نے ایک طویل قصیدہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا جس میں ایک طرف یہ صفائی دی کہ میں نے دعوتِ محمدی کو قبول نہیں کیا۔ لیکن دوسری طرف یہ اعلان بھی کیا کہ کسی قیمت پر محمدؐ کو نہیں چھوڑ سکتا اور اس کے لیے اپنی جان تک دے دوں گا۔ اگرچہ ایسے اکثر قصائد کی تاریخی حیثیت کمزور ہے، تاہم ان میں سے بہت سے اجزاء

درست بھی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۴۸۶)

اُلٹا اثر

جب بھی کوئی اہم شخصیت مکہ میں وارد ہوتی تو تحریک اسلامی کے مخالفین اس کو رسول اللہؐ کے اثر سے بچانے کے لیے پورا جتن کرتے مگر بسا اوقات اُلٹا اثر پڑتا۔ اس قسم کے چند خاص واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

طفیل بن عمرو دوسی ایک مردِ شریف اور ایک شاعر لبیب تھا۔ ایک مرتبہ وہ آیا۔ بعض افرادِ قریش اس کے پاس پہنچے، کہنے لگے کہ طفیل! دیکھو تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہاں محمد ﷺ کی سرگرمیاں ہمارے لیے ناقابلِ برداشت بنی ہوئی ہیں۔ اس شخص نے ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا

ہے اور ہمارے مفاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کی باتیں جادوگروں جیسی ہیں۔ اور یہ بیٹے اور باپ میں، بھائی اور بھائی میں، شوہر اور بیوی میں جدائی ڈلوا رہا ہے۔ ہمیں تمہارے اور تمہاری قوم کے بارے میں اندیشہ ہے کہ تم کہیں شکار نہ ہو جاؤ۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس شخص سے نہ تو بات کرنا اور نہ اس کی کوئی بات سُننا۔

طفیل کا اپنا بیان ہے کہ ان لوگوں نے اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ میں پوری طرح قائل نہ ہو گیا کہ نہ بات کروں گا نہ سنوں گا۔ چنانچہ جب مسجد حرام کی طرف جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کعبہ کے پاس عبادت میں کھڑے تھے تو میں بھی قریب جا کر کھڑا ہوا۔ میں نے بہت ہی خوب کلام سنا۔ پھر دل میں میں نے کہا کہ میری ماں مجھے روئے۔ خدا کی قسم

میں ایک صاحب عقل آدمی ہوں، شاعر ہوں، بُرے بھلے کی پہچان کر سکتا ہوں۔ پھر کیا چیز مجھے ان باتوں کے سننے سے روک سکتی ہے جنہیں یہ کہتا ہے، جو پیغام یہ لایا ہے وہ اگر بھلا ہوگا تو میں قبول کرلوں گا، اگر بُرا ہوگا تو چھوڑ دوں گا۔

اسی سوچ بچار میں کچھ وقت گزر گیا۔ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کو چلے۔ طفیل ساتھ ہولیا۔ راستے میں سارا قصہ سنایا کہ مجھے پروپیگنڈہ کے کس چکر میں ڈال رکھا گیا تھا۔ پھر مکان پر پہنچ کر درخواست کی کہ اپنا پیغام ارشاد فرمایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ طفیل کہتا ہے کہ ''خدا کی قسم! نہ اس سے بڑھ کر اچھا کلام میں نے کبھی سنا اور نہ اس سے بڑھ کر سچا پیغام۔'' اور پھر وہ بتاتا ہے کہ میں اسلام لے آیا اور حق کی گواہی دی۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۴۰۷)

ان طفیل دوسی نے قبیلہ میں جا کر پُر جوش طریق سے دعوت کا کام کیا اور پورا قبیلہ متاثر ہوا۔

ان کے تبلیغی جوش کا یہ عالم تھا کہ گھر پہنچ کر جونہی ضعیف العمر والد سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے کہ "نہ آپ میرے، میں آپ کا۔" انہوں نے پوچھا: "بیٹے یہ کیوں؟" جواب دیا کہ اب میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرلیا ہے اور آپ کی پیروی منظور کرلی ہے۔ والد نے کہا کہ بیٹا! جو تیرا دین ہے وہی میرا بھی ہوگا۔ فوراً نہا کر اسلام قبول کیا۔ طفیل نے اسی طرح اپنی بیوی کو بھی دعوت دی اور اس نے بھی لبیک کہی۔ پھر قبیلہ میں دعوتِ عام کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں آ کر حضور کی خدمت میں روداد بیان کی اور اپنے قبیلہ کی خرابیاں بیان کر کے دعائے عذاب کی درخواست کی مگر حضورؐ نے ہدایت کی دعا کی الـــلھـم

اھے دوسا۔ طفیل کو تا کید کی کہ واپس جا کر اپنے لوگوں میں

دعوت جاری رکھو اور خاص نصیحت کی کہ ان سے ساتھ نرمی

برتو (ان کا تشدد آمیز جوش تبلیغ اسلامی حکمت سے مطابق نہ

تھا) (سیرت ابن ہشام جلد اص ۲۰۷ تا ۲۰۹)

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ اعشیٰ بن قیس بھی ایک ممتاز

شاعر تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کا چرچا سنا اور اس ارادے سے

مکہ کا رخ کیا کہ جا کر اسلام قبول کرے۔ اس نے آنحضورؐ

کی شان میں قصیدہ بھی کہا تھا۔ اب جونہی یہ مکہ کی حدود میں

پہنچا ایک قریشی مشرک (یہ ابوجہل ہی تھا۔ سیرت ابن ہشام

جلد اص ۳۱۶) نے آ گھیرا اور اس کے مقصد کے بارے میں

کھوج کرید کی۔ اس نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلعم کی

خدمت میں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر بات

چل پڑی۔ مشرک حیلہ طراز نے اعشیٰ کی دکھتی رگوں کو

ٹٹولنے کے لیے کہا کہ دیکھو محمد تو زنا کو حرام ٹھہراتا ہے۔ یہ وار اوچھا پڑا تو پھر کہا کہ وہ تو شراب سے بھی روکتا ہے۔ یہاں تک کہ باتوں باتوں میں اعشیٰ کے ارادے کو کمزور کر دیا۔ چنانچہ اس نے یہ منوالیا کہ اس مرتبہ تو تم واپس چلے جاؤ اور اگلے برس آ کر اسلام قبول کر لینا۔ اعشیٰ واپس چلا گیا اور قبل اس کے کہ وہ مکہ لوٹتا بدنصیب کی موت واقع ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اص ۱۶ ۔ ۲۱۵)

سب سے زیادہ دل چسپ واقعہ مردِ اراشی کا ہے۔ یہ مکہ آیا۔ ساتھ اونٹ تھا۔ جس کا سودا ابوجہل نے چکا لیا مگر قیمت کی ادائی میں لیت و لعل کیا۔ اب یہ قریش کے مختلف لوگوں کے پاس گیا کہ اونٹ کی قیمت اسے کوئی دلوا دے۔ وہاں ایک مجلس آراستہ تھی۔ اراشی نے اہلِ مجلس سے اپیل کی کہ آپ میں سے کوئی میری رقم ابوجہل سے دلوا دے۔

میں ایک مسافر بے وطن ہوں اور میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اہلِ مجلس میں سے کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ ابوجہل سے جا کر ایک مسافر کا حق دلوائیں۔ اس لیے بات ٹالنے کے لیے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ وہ دیکھتے ہو ایک شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بیٹھا ہے، اس کے پاس جاؤ وہ وصولی کرادے گا۔ دراصل یہ ایک طرح کا استہزاء تھا۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوجہل کی جو عداوت تھی وہ ظاہر تھی۔ اراشی آنحضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا ماجرا بیان کر کے مدد طلب کی۔ آنحضورؐ اٹھے اور فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ وہ لوگ دیکھنے لگے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ رسولؐ اللہ حرم سے نکل کر ابوجہل کے گھر پر آئے، دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی ''کون ہے؟'' فرمایا: محمد! باہر آؤ میرے پاس!'' ابوجہل نکلا۔ چہرے کا رنگ بالکل اُڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس

شخص کا حق اسے دے دو۔ چنانچہ بے چون و چرا ابوجہل نے ادائیگی کردی۔ اراشی خوش خوش حرم کی اس مجلس کی طرف پلٹا اور واقعہ سنایا۔

یہ اثر تھا اس عظیم کیرکٹر کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر تھا۔ اس کا اعتراف خود ابوجہل نے کیا اور اہل مجلس سے آ کر کہا کہ اس (محمدؐ) نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اس کی آواز سنی اور یکا یک ایک رعب مجھ پر طاری ہوگیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱۷۔۴۱۶)

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس واقعہ کا کتنا بڑا اثر مردِ اراشی پر اور خود اہلِ مکہ پر پڑا ہوگا۔

مہاجرین جس کے ذریعہ اسلام کا پیغام ایک نئے علاقہ میں جا پہنچا تو وہاں سے ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد مکہ آیا۔

یہ لوگ مسجد حرم میں آنحضور کی خدمت میں آئے، بیٹھے، بات کی اور سوالات پوچھے۔ آنحضورؐ نے قرآن سنایا اور دعوتِ حق پیش کی۔ ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اللہ کی پکار کو انہوں نے قبول کیا، ایمان لائے اور نبی اکرمؐ کی تصدیق کی۔ جب یہ اُٹھ کر نکلے تو باہر قریشی مخالفین مسجد کے گرد منڈلا رہے تھے۔ ابوجہل نے اس گروہ کو نشانہ ملامت بنالیا کہ تم بھی کیا احمق لوگ ہو جو اپنے دین کو خیرباد کہہ دیا۔ وفد والوں نے جواب دیا: ''آپ لوگوں کو ہماری طرف سے سلام عرض ہے۔ ہمیں آپ کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرنا۔ ہمارا راستہ الگ آپ کا راستہ الگ! ہم اپنے آپ کو ایک بھلائی سے محروم رکھنا نہیں چاہتے۔''

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کی ساری کارروائی رات کی تاریکی میں بڑے اہتمامِ اخفا کے ساتھ اسی وجہ سے عمل میں لائی گئی

تھی کہ اشرارِ مکہ کی طرف سے سخت مزاحمت تھی۔ اہل وفد

جب بیعت کی مجلس سے فارغ ہو کر قیام گاہوں میں پہنچے تو

سردارانِ قریش نے ان کو وہاں جا لیا۔ ان کی مخبری کا نظام

ایسا مضبوط تھا کہ انہوں نے بیعت کا قصہ بیان کرکے کہا کہ

تم ہمارے آدمی (محمد صلعم) کو نکال لے جانا چاہتے ہو اور

اس کے ہاتھ پر تم نے ہمارے خلاف جنگ کرنے کا پیمان

اندھا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ تم لوگ اگر ہمیں اور اہل عرب کو لڑا

دو گے تو تم سے بڑھ کر قابلِ نفرت ہماری نگاہوں میں کوئی

دوسرا نہیں ہو سکتا۔ انصار نے بات کو چھپانے کی کوشش کی۔

چنانچہ اس وقت تو بات ٹل گئی اور انصاری قافلہ روانہ ہو گیا۔

لیکن قریش بعد میں برابر تجسس میں لگے رہے، اور پوری

اطلاع پالی۔ انصاری قافلہ کا تعاقب کیا گیا اور سعد بن عبادہ

اور منذر ابن عمرو اُن کے ہاتھ آ گئے۔ یہ دونوں اپنے اپنے

قبیلوں پر دورانِ بیعت میں نقیب مقرر ہوئے تھے۔ منذر تو تھے ہی کمزور آدمی، البتہ سعد بن عبادہ کو قریش نے پکڑ لیا اور ان کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے اور گرفتار کر کے مکہ لے گئے۔ مکہ پہنچ کر خوب مارا۔ ان کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا۔

سعد بن عبادہ کا خود اپنا بیان ہے کہ اسی حالت میں قریش کا ایک آدمی آیا جس کا چہرہ روشن اور وجاہت دار تھا۔ لمبا اور خوبصورت! میں نے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کوئی خیر باقی ہے تو اس کی توقع اسی شخص سے کی جا سکتی ہے۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے ہاتھ اُٹھا کر زور سے مجھے تھپڑ لگایا۔ اب دل میں میں نے سمجھ لیا کہ اس گروہ میں بھلائی کی کوئی رمق باقی نہیں۔ آخر ایک شخص نے نرمی کے ساتھ پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی آدمی قریش میں ایسا نہیں کہ

جس سے تمہارا کوئی بھائی چارہ یا عہد و پیمان ہو؟ میں نے جبیر ابن مطعم اور حارث بن حرب کے نام لیے۔ اس نے کہا کہ پھر پکارو ان کے نام اور جو تعلق ان کے ساتھ ہے اسے بیان کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وہی شخص انہیں ڈھونڈنے نکلا۔ وہ دونوں پاس ہی مل گئے۔ اور انہوں نے آ کر مجھے چھڑایا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعوتِ حق کے خلاف ردِ عملی ہنگامہ کے علمبردار کس طرح میدانِ کشمکش میں سرگرمِ عمل تھے۔

فنونِ لطیفہ کا محاذ

اسلام کی مخالفت کی مہم کا ایک سرخیل نضر بن حارث بھی تھا۔ یہ اپنی تجارت کے لیے اکثر فارس جاتا۔ وہاں سے

شاہان عجم کے تاریخی قصص بھی جمع کر لاتا اور ادبی انداز کی کہانیاں بھی۔ چنانچہ اس نے مکہ میں قرآن کے انقلابی ادب کے مقابلے پر عجم کے تفریحی ادب کا اڈہ قائم کیا اور لوگوں کو دعوت دیتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عاد و ثمود کے پھیکے قصے کیا سنتے ہو۔ آؤ، میں تم کو رستم و اسفندیار کی سرزمین کی چٹ پٹی کہانیاں سناؤں۔ نضر بن حارث کو ایک مستقل انسانی کردار بنا کر قرآن نے ہمارے سامنے یوں رکھا ہے کہ

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا (لقمان ٦)

"اور لوگوں میں ایک کردار ایسا بھی ہے جو دل بہلاوے کے افسانوں کا خریدار ہے تا کہ ان کے ذریعہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بغیر سمجھے بوجھے بہکائے اور اس کا مذاق

اُڑائے۔"

یہ نضر بن حارث وہ ہے جس نے ایک مجلس میں ابوجہل کے سامنے دعوتِ محمدیؐ کے موضوع پر یہ تقریر کی تھی:

"اے گروہِ قریش! تمہارے اوپر ایک ایسا معاملہ آپڑا ہے کہ آگے چل کر اس کے خلاف تمہارا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے درمیان ایک من موہنا نوخیز لڑکا تھا ہم سب سے بڑھی کر امانت دار! یہاں تک کہ جب اس کی کنپٹیوں میں سفید بال آگئے اور اس نے تمہیں اپنا وہ پیغام دیا تو اب تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے ---- کہتے ہو کہ وہ کاہن ہے ---- کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے ---- اور کہتے ہو کہ وہ دیوانہ ہے! ---- ان میں سے کوئی بات بھی درست نہیں ہے، (یہاں ہم نے کسی قدر تلخیص سے کام لیا ہے۔) ---- اے گروہِ قریش! اپنے

موقف پر غور کرو، کیونکہ بخدا تمہارے سامنے ایک امرِ عظیم آ چکا ہے۔" (سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۳۱۹)

نضر بن حارث کی یہ تقریر بتاتی ہے کہ وہ دعوتِ محمدیؐ کی عظمت کو بھی سمجھتا تھا اور محسنِ انسانیت کے کردار کی رفعت سے بھی آگاہ تھا۔ وہ اپنے ضمیر کو پامال کر کے حضورؐ کے پیغام کی مخالفت کے لیے شیطانی ترکیبیں نکالتا تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ ایک بامقصد تحریک کے سنجیدہ پیغام کے مقابلے میں عام لوگوں کے لیے تفریحی ادب میں زیادہ کشش ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس نے تفریحی ادب کے ایک مکتب کی ابتدا کر دی۔ نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ "میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ دلچسپ کہانیاں پیش کرتا ہوں" پھر جب وہ عجمی داستانیں بیان کرتا تو کہتا کہ آخر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں کس پہلو سے میری باتوں

سے زیادہ خوش آئند ہیں۔" دوسری طرف وہ حضورؐ کے کلام پر اساطیر الاولین کی پھبتی کستا۔

اتنا ہی نہیں، اس نے گانے بجانے والی ایک فن کار لونڈی بھی خریدی تھی۔ لوگوں کو جمع کر کے کھانے کھلاتا، پھر اس لونڈی سے گانے سنواتا۔ جس نوجوان کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہو رہا ہے تو اس کے ہاں اس فن کار لونڈی کو لے جاتا اور اسے ہدایت کرتا کہ ذرا اسے کھلا پلا اور موسیقی سے شاد کام کر۔ آرٹ اور کلچر کے ایسے مظاہرے کے بعد طنزاً کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کام کی طرف بلاتے ہیں وہ مزیدار ہے یا یہ؟ (سیرت المصطفیٰؐ از مولانا ادریس کاندھلوی ج ا ص ۱۸۷)

اصل میں دین حق کی روح خدا پرستی ہے اور پابندی اصول! نفسانیت اور شہوانیت کی فضا میں اس روح کی

موت واقع ہوجاتی ہے۔ جس ماحول میں ساری توجہ کھانے، شہوت، گانے بجانے تفریحات اور فنون لطیفہ کی طرف منعطف ہوجائے وہ دعوتِ حق کے لیے سازگار نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر نضر بن حارث نے ایک طرف تفریحی افسانوں کا دور شروع کیا، دوسری طرف گانے بجانے اور نسائیت کی جلوہ آرائیوں سے مجالس گرم کیں۔

لیکن ایک تعمیری پیغام اور ایک بامقصد تحریک کے مقابلے میں تفریحی ادب بھی کارگر نہ ہوا۔ اور فنون لطیفہ کے شعبدے بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔ چار دن ہما ہمی رہی اور پھر یہ سارے ہنگامے ٹھنڈے پڑ گئے۔

چنانچہ اپنے اس حربے میں ناکام ہو کر یہی نضر بن حارث سردارانِ قریش کے مشورے سے علمائے یہود کے پاس پہنچا کہ تم علم رکھتے ہو تو ہم بے علموں کو بتاؤ کہ ہم تحریکِ

اسلامی سے کیسے عہدہ برآ ہوں، اور کیسے محسنِ انسانیت کو زچ کریں۔ علمائے یہود نے سکھایا کہ اس شخص سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرو اور روح کی حقیقت پوچھو۔ چنانچہ فیصلہ کن انداز سے یہ سوالات رکھے گئے۔ وحی ربی نے اطمینان بخش جواب دے دیئے۔ لیکن کفر کی ہٹ کا کیا علاج! (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۳۲۱۔۳۲۰)

سودا بازی کی کوششیں

ابتدائی خفیہ مرحلے سے نکلنے کے بعد اسلامی تحریک جب تیزی سے پھیلنے لگی اور پھر آگے چل کر جب پروپیگنڈے اور تشدد کی مختلف تدبیریں ناکارہ ثابت ہوئیں تو مخالفین دل ہی دل میں محسوس کرنے لگے کہ یہ ایک ناقابلِ تسخیر طاقت ہے اور کوئی بڑا نتیجہ پیدا کرنے والی ہے

۔ چنانچہ پھر ایسی کوششیں ہونے لگیں کہ کسی طرح سمجھوتہ (COMPROMISE) کی راہ نکلے اور کچھ مان کر اور کچھ منوا کر قضیہ ختم کیا جا سکے، مگر اصولی تحریکوں میں اتنی لچک ہوتی ہی نہیں کہ لین دین کر کے کوئی درمیانی راہ پیدا کر لی جائے ۔ تاہم سردارانِ قریش نے اس حربے کو بھی پوری طرح آزمایا کہ شاید کسی طرح سے انگلی دھنسائی جا سکتی ہو۔

مثلاً ان کی ایک شرطِ مصالحت یہ تھی کہ حضورؐ ان کے اصنام و آلہہ کے خلاف زبان نہ کھولیں ۔ اور ان کے مذہب سے تعرض نہ کریں اور اس کے علاوہ جو کچھ وعظ بھی کرنا چاہیں اور جیسی کچھ اخلاقی نصیحتیں فرمانا چاہیں گوارا کر لی جائیں گی ۔ یعنی آپ اپنے کلمہ دعوت میں نفی باطل کا جزو ساقط کر دیں یا یوں کہیے کہ " لا الٰہ " نہ کہیں ۔ محض اللہ کا نام

لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ جن باطل تصورات پر نظامِ تمدن کھڑا تھا، ان کو نہ چھیڑا جائے اور معاشرہ کا جو فاسد ماحول جس شکل میں موجود تھا، اسے برقرار رہنے دیا جائے ۔ سچائی کو ایسی شکل میں لایا جائے کہ وہ تغیر کی نقیب نہ ہو اور اس سے انقلابیت کی روح کو خارج کردیا جائے ۔ دین حق کا سیاسی جز معطل ہوجائے اور اجتماعی نظام کو اس کی بنیاد پر قائم رکھ کر اس کے سائے میں روحانی نوعیت کی اصلاحِ معاشرہ کی جاتی رہے ۔ گویا قریش کا مطالبہ یہ تھا کہ ہماری طبقاتی سیادت برقرار، ہماری سیاسی و اقتصادی قیادت اور مذہبی پیشوائی سلامت ، ہمارے عہدے قائم ، ہمارے مفاد محفوظ، باقی جو کچھ تم کرنا چاہو کرو لیکن تحریکِ اسلامی اگر یہ شرط پوری کرتی تو ازخود ختم ہوجاتی

۔

اسی طرح ان کی طرف سے خواہش کی گئی کہ:-

ایت بقران غیر ھذا او بدلہ (یونس:۱۵) یعنی اس قرآن کو تو بالائے طاق رکھ دو اور کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں رد و بدل کر لو (تا کہ کچھ ہمارے تقاضوں کے لئے بھی گنجائش نکلے)

اس کا جواب وحی الٰہی کے الفاظ میں حضورؐ کی زبان سے یہ دلوایا گیا کہ ''میرا یہ اختیار نہیں کہ اس (قرآن) کو بطور خود بدل لوں۔ جو کچھ مجھ پر وحی کیا جاتا ہے، اس کے ماسوا میں کسی اور چیز کی پیروی نہیں کر سکتا۔ میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یوم عظیم (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ... اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو کوئی غلط بات (اپنی طرف سے گھڑ کر) اللہ تعالٰی سے منسوب کر دے''۔

مصالحت کی راہ نکالنے کے لئے مخالفینِ تحریک نے حضورؐ کے سامنے ایک مطالبہ یہ بھی رکھا کہ اگر آپؐ اپنے حلقے سے ہمارے معاشرے کے گھٹیا لوگوں، ہمارے غلاموں اور مکیروں اور کل کے لونڈوں کو نکال دیں تو پھر ہم آپؐ کے پاس آ کے بیٹھیں اور آپؐ کی تعلیمات کو سنیں۔ آخر موجودہ حالت میں ہمارے مرتبے سے یہ بعید ہے کہ ہم کوئی استفادہ کر سکیں۔ بیچ لوگوں نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے۔ یہاں ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ تحریک کے خواص بنے بیٹھے ہیں اور ان کو بڑی قرابت حاصل ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں وہ اکثر طنزاً کہا کرتے تھے کہ یہ ہیں وہ ہستیاں جو قیصر و کسریٰ کی جانشین بننے والی ہیں۔ واقعہ یہ نہ تھا کہ ان کے دل تحریک اسلامی کی خدمت کے لئے مضطرب تھے بلکہ منشا یہ تھا کہ وہ نوجوان جو مجنونانہ سچائی کے پیغام کا علم

اٹھا رہے تھے جو اپنے مفادات قربان کر رہے تھے اور جو ہر قسم کی مصیبتوں کو سہار کر اپنا کردار بنا رہے تھے اور وہ کہ جن کی ایک ایک سانس اپنے مقدس مشن کی خدمت کے لئے وقف تھی۔ ان کی حوصلہ شکنی کرائی جائے اور ان کی خدمات سے اس مشن کو محروم کرایا جائے۔ قبل اس کے کہ حضورؐ کے دل پر اس فریب کارانہ خواہش کا کوئی اثر ہوتا، قرآن نے آپ پر واضح کیا کہ یہ تو معاندین کی محض ایک چال ہے جیسی کہ وہ جملہ انبیاء کے خلاف چلتے رہے ہیں۔ مثلاً ٹھیک ایسی ہی بات نوح علیہ السلام کے سامنے بھی رکھی گئی تھی۔ (ہود: ۲۷) پس آپ ان ساتھیوں کو معاندین کی خوشنودی کے لئے اپنے قرب سے ہرگز محروم نہ کریں جو صبح و شام خدا کا نام پکارنے والے ہیں (الانعام: ۵۲) بلکہ ہدایت دی گئی کہ اخلاص کے یہ پیکر جو طرح طرح کی مصیبتیں

اٹھا رہے ہیں۔ ان کو اپنے سایہ شفقت میں رکھو واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین (الشعراء :۲۱۵) بلکہ ایک موقع پر ایک ذی اثر مخالف سے گفتگو کرتے ہوئے حضورؐ نے ایک نابینا رفیق (ابن ام مکتوم) کی مداخلت کو ناپسند کیا تو اتنی سی بات پر تنبیہ آ گئی (سورہ عبس: ۱ تا ۱۰)

اسی سلسلہ میں ایک بار معاندین قریش کی مجلس میں غور وفکر ہو رہا تھا اور دوسری طرف رسولؐ خدا حرم میں تنہا تشریف رما تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے اہل مجلس سے کہا کہ اگر تم لوگ پسند کرو تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر بات کروں اور اس کے سامنے ایسی صورتیں پیش کروں جن میں سے ممکن ہے کہ کسی کو وہ چاہے تو قبول کر لے اور پھر ہم اسے ایفا کر دیں اور وہ ہمارے مقابلے سے باز آ جائے۔ یہ

صریح طور پر سودا بازی کی ایک تجویز تھی اور یہاں تک اگر قریش آ پہنچے تھے تو درحقیقت حضرت حمزہ کے ایمان لانے اور تحریک کے تیزی سے پھیلنے کی وجہ سے زچ ہو کر آ پہنچے تھے۔ مجلس کی رضامندی سے عتبہ نے حضورؐ سے جا کر یوں گفتگو کی:-

''اے برادرزادے! تمہارا جو کچھ مرتبہ ہمارے درمیان ہے وہ تم خود جانتے ہو، خاندان بھر میں تمہارا مقام بلند ہے اور نسب کے لحاظ سے تم ایک شان رکھتے ہو''۔

اس خوشامد آمیز مگر مبنی بر حقیقت تمہید کے بعد عتبہ نے شکایت کی کہ تم نے قوم کو بڑی بھاری الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان کے اکابر کو احمق قرار دیا ہے۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین میں عیب لگایا ہے۔ ان کے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کی تکفیر

کر ڈالی ہے۔ اب میری بات سنو اور میں جو کچھ پیش کرتا ہوں، ان ساری صورتوں پر غور کرو، شاید تم ان میں سے کوئی بات قبول کر لو۔ حضورؐ نے فرمایا: کہو اے ابوالولید میں سنوں گا۔ عتبہ نے حسبِ ذیل صورتوں کی پیش کش کی:

● اگر اس سارے ہنگامے سے تمہارا مقصود دولت ہو تو پھر ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب سے بڑھ کر مالدار ہو جاؤ۔

● اگر تم اس کے ذریعہ سرداری و قیادت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنے اوپر سردار مقرر کئے لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمہارے بغیر ہم کسی بھی معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔

● اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ

تسلیم کیے لیتے ہیں۔

● اور اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ تم پر کسی جن وغیرہ کا سایہ ہوتا ہے اور وہ تم پر مسلط ہو جاتا ہے تو پھر ہم کچھ چندہ وغیرہ کر کے تمہارے لئے علاج کا سامان کریں، پھر یا تو تمہیں اس سے نجات دلا دیں یا ناکامی ہو تو معذور سمجھیں۔

اس مصالحانہ پیش کش میں وہ مختلف تصورات جھلک رہے ہیں جو اسلامی تحریک کے مخالفین میں پائے جاتے تھے ۔ان تصورات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی نگاہ میں دو ہی امکان تھے : ایک یہ کہ حضورؐ جاہلی نظام کی طاقت سے اتنی بڑی ٹکر لینے کا اقدام ہوش و خرد کے عالم میں نہیں کر رہے تھے بلکہ کسی بھوت پریت کے سائے اور کسی طرح کے دورے میں ہونے کی وجہ سے کر رہے تھے ۔دوسرے یہ کہ اگر ہوش و خرد کے تحت یہ جدوجہد ہو رہی تھی تو پھر اس کا ہدف

لازماً قیادت و بادشاہت کا مقام تھا۔ بہر حال پوری پیش کش کو سن کر حضورؐ نے فرمایا: ''ابو الولید! کیا تم اپنی بات کہہ چکے ؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' فرمایا: ''تو اب میری سنو''۔ اس نے کہا: ''کہو''، حضورؐ نے پوری پیش کش کو ایک طرف ڈال کر حٰمٓ کی آیات سنانی شروع کیں۔

''یہ حٰمٓ ہے۔ بڑی مہربان اور رحم والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہ ایک نوشتہ ہے جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے۔ یہ قرآن ہے عربی زبان میں۔ سمجھ بوجھ سے کام لینے والوں کے لئے! (ایمان لانے والوں کو) بشارت سنانے والا اور (انکار کرنے والوں کو) تنبیہ کرنے والا۔ پس ان (اہلِ مکہ) میں سے اکثریت نے اس روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں جس طرف تم بلاتے

ہو اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک روک حائل ہے۔ سو تم اپنی جگہ کام کرو، ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں"۔ (حمٓ: ۱ تا ۵)

حضورؐ جب تک سناتے گئے عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر ان پر ٹیک لگائے ہوئے چپ چاپ توجہ سے سنتا رہا۔ حضورؐ نے سجدہ تلاوت آنے پر قرأت روکی اور سجدہ کیا، پھر فرمایا: "ابوالولید! تم نے سن لیا جو کچھ سنا، اب تو جانے اور یہ"۔

عتبہ اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ انہوں نے نظر پڑتے ہی دیکھا کہ عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ اب وہ رنگ نہیں جو جاتے وقت تھا، تشویش کے ساتھ انہوں نے ماجرا پوچھا، عتبہ نے کہا:

''ماجرا یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جیسا کبھی نہیں سنا تھا، بخدا نہ وہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہِ قریش! میری بات مانو اور اس کی ذمہ داری مجھ پر رہنے دو، اس شخص کو اس حال پر چھوڑ دو، اور اس کے پیچھے نہ پڑو، خدا کی قسم! جو کلام میں نے اسے سنا ہے اس سے یقیناً کوئی بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر اہلِ عرب نے اس سے نمٹ لیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہیں اس سے نجات ہو جائے گی اور اگر وہ عرب پر چھا گیا تو اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی اور اس کی طاقت تمہاری طاقت ہوگی اور تم اس کے واسطے سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر خوش نصیب ہو جاؤ گے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد: ۱، ص: ۳۱۳-۳۱۴)

عتبہ کے اس اظہارِ رائے سے کئی اہم حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ فصحائے عرب مجبور ہو کر قرآن کے کلام

کی عظمت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب تک مخالفین اصل دعوت کو براہِ راست داعی کی زبان سے سننے سے بچے رہتے اور محض اپنے حلقے کے زہریلے پروپیگنڈے کے اثر میں رہتے تو ان کا زورِ مخالفت قائم رہتا لیکن جس ہستی نے بھی براہِ راست اصل پیغام کا کوئی جزء سنا تو اس کا دل مفتوح ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تیسرے یہ کہ اس کلام کے بارے میں ان کے ہر ذہین آدمی کا تاثر یہی تھا کہ اس سے کوئی بڑا نتیجہ (نباءِ عظیم) پیدا ہونے والا ہے بلکہ وہ اس کے پردوں کے پیچھے ایک کامل انقلاب کا منظر دیکھتے تھے اور اندازہ کر لیتے تھے کہ اس کلمے کی بنیاد پر ایک سلطنت اور ایک نظامِ زندگی کا قیام ہونے والا ہے۔

مگر عتبہ کی بات سن کر مجلس میں یوں مذاق اُڑایا گیا کہ: ''ابو الولید! اس کی زبان کا جادو تو تم پر بھی چل گیا''۔

عتبہ نے کہا کہ " اس کے متعلق میری رائے تو یہی

ہے جو میں نے کہہ دی، اب تم جو چاہو کرو" ۔

ایک کوشش اس سلسلے میں اور کی گئی ۔ بڑے بڑے

زعماء عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر

بن حارث بن کلدہ (جس کی برادر خواندگی بنو عبد الدار سے تھی

) ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب، زمعہ بن اسود،

ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی اُمیہ، عاص

بن وائل، نبیہ اور منبہ ابنائے حجاج (بنو سہم) امیہ بن خلف ۔

غروب آفتاب کے بعد کعبہ کے پاس جمع ہوئے ۔ انہوں

نے رسول خدا کو بلوا بھیجا، حضورؐ اچھی توقعات کے ساتھ جلد

جلد آ پہنچے، انہوں نے اپنی اسی پیش کش کو جو پہلے عتبہ کے

ذریعے پہنچائی گئی تھی، ایک بار پھر دہرایا ۔ اسے سن کر حضورؐ

نے جواب دیا:-

''تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میرا معاملہ اس سے مختلف ہے ۔ میں جو دعوت تمہارے سامنے لے کر اٹھا ہوں، اسے اس لئے پیش نہیں کر رہا کہ اس کے ذریعہ تم سے مال و دولت حاصل کروں یا تمہارے اندر سرداری حاصل کروں یا تم پر بادشاہت قائم کروں، مجھے تو خدا نے تمہارے سامنے اپنا پیغامبر بنا کر اٹھایا ہے۔ اس نے مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے بشیر و نذیر بنوں۔ سو میں نے خدا کی ہدایات تم تک پہنچا دی ہیں اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کیا ہے۔ اب جو کچھ میں لایا ہوں۔ اگر اسے تم قبول کر لو تو وہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے اور اگر تم اسے میری طرف پھینک دو تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر دکھاؤں گا ۔ یہاں تک کہ خدا میرے تم لوگوں کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرما دے''۔ (سیرت ابن ہشام، ج

:اعراف:۱۶-۳۱۵)

یہ جواب سن کر جب انہوں نے دیکھا کہ آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل رہا تو طرح طرح کی حجتیں نکالنا شروع کیں۔ مثلاً یہ کہا کہ تم جانتے ہو ہماری یہ سرزمین بہت ہی تنگ ہے۔ اس میں پانی کی کمی ہے اور یہاں کی زندگی بہت کٹھن ہے۔ تم خدا سے کہو کہ وہ ان پہاڑوں کو ہٹادے اور ہماری زمین کو کشادہ کردے اور اس میں شام وعراق کی طرح دریا چلادے پھر یہ کہا کہ خدا ہمارے آباءواجداد کو اٹھا کھڑا کرے اور ان میں قصی بن کلاب ضرور شامل ہو کیونکہ وہ مرد بزرگ بڑا راست باز تھا۔ ہم اس سے تمہاری دعوت کے بارے میں دریافت کریں گے کہ یہ حق ہے یا باطل! پھر ہمارے اسلاف کرام زندہ ہوکر اگر تمہاری تصدیق کردیں اور تو وہ باتیں کر دکھائے جن کا ہم نے مطالبہ کیا ہے تو ہم

تمہاری تصدیق کریں گے اور خدا کے ہاں تمہارا یہ مرتبہ ہمیں تسلیم ہوگا کہ اس نے تمہیں واقعی رسول بنا کے بھیجا ہے۔ پھر کہا کہ یہ بھی نہیں کرتے تو ہم پر عذاب ہی وارد کرادو۔ حضورؐ ان لایعنی مطالبات پر بار بار اپنی وہی بات دہراتے چلے گئے اور کہتے گئے کہ:

"مالھذا بعثت" (ان کاموں کے لئے مجھے نہیں اٹھایا گیا)

آخر جب حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ ہی ساتھ عبداللہ بن ابی اُمیہ (جو حضورؐ کا پھوپھی زاد بھائی تھا) بھی اٹھ کھڑا ہوا اور آپؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تمہاری قوم نے تمہارے سامنے کچھ باتیں رکھیں، لیکن تم نے کوئی پیش کش بھی مان کر نہیں دی۔ اب تو خدا کی قسم میں تمہارے اوپر ایمان نہیں لانے کا۔ خواہ تم آسمان پر سیڑھی

لگا کر اس پر چڑھتے ہوئے دکھائی کیوں نہ دے جاؤ، اور پھر آنکھوں کے سامنے اترو اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آ کر تمہاری صداقت کی گواہی کیوں نہ دے دے دیں۔ خدا کی قسم! اگر میں ایسا کروں بھی تو میرا قطعاً یہ خیال نہیں کہ میں حقیقتاً تمہاری تصدیق کروں گا۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۱۶ تا ۳۱۸)

محسن انسانیتؐ بڑے دکھی دل کے ساتھ گھر واپس آئے۔

ایسے ہی واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ سفر طائف کے بعد جب حضورؐ نے مکہ سے نکل کر آس پاس کے قبائل مثلاً بنو کندہ اور بنو حنیفہ وغیرہ میں پیغام پہنچانا شروع کیا تو ایک بار قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے ہاں بھی پہنچے اور سردار قبیلہ بحیرہ بن فراس سے ملاقات کی۔ اس نے حضورؐ کی

دعوت سنی پھر ساتھیوں سے کہنے لگا: ''بخدا اگر قریش کا یہ نوجوان میرے ہاتھ آجائے تو میں اس کے ذریعہ سارے عرب کو مٹھی میں لے لوں (سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۳۳) پھر آپؐ کو خطاب کر کے پوچھا کہ اگر ہم لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں اور تم مخالفین پر غالب آجاؤ تو کیا یہ وعدہ کرتے ہو کہ تمہارے بعد یہ سارا سلسلہ میری تحویل میں آجائے گا؟

غور کیجئے کہ ابتدائی مجمل دعوت کو سن کر ہی اس شخص نے بھانپ لیا تھا کہ یہ دعوت ایک معرکہ پیدا کرنے والی دعوت ہے اور اس کے غالب آجانے کا امکان بھی ہے اور اس وقت یہ ذریعہ حصولِ مفاد بھی ہوگی۔ انہی تصورات نے بحیرہ کے اندر سوداگرانہ ذہنیت پیدا کردی مگر حضورؐ تو داعی تھے، سیاسی کاروبار کرنے نہیں چلے تھے، اس لئے آپؐ نے

جواب دیا کہ:-

''یہ تو خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے گا میرے بعد مقرر کردے گا۔''

بحیرہ نے اس پر کہا کہ'' کیا خوب! اس وقت تو عرب کے سامنے ہم سینہ سپر ہوں اور جب تمہارا کام بن جائے تو مفاد کوئی دوسرا حاصل کرلے جائے۔ جاؤ ہم کو اس سلسلے سے کوئی مطلب نہیں۔'' (رحمتہ للعالمینؐ، ج:۱،ص:۸۹)

حضورؐ اگر کوئی غیر سیاسی واعظ ہوتے یا صوفیانہ طرز پر معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کرنے چلے ہوتے تو اس موقع پر ان کا جواب سیدھا سادا یہ ہوتا کہ میاں تم یہ کیسے خواب دیکھ رہے ہو، یہ تو اللہ والوں کا ایک اصلاحی کام ہے، اس میں

مفاد کا کیا سوال، اور اس میں کسی کی سرداراور جانشینی کا کیا ذکر۔ حضورؐ بھی اپنی تحریک کی جامعیت اور اس کے سیاسی پہلو سے آگاہ تھے اور مخاطب نے بھی اس منتہا کا کچھ تصور کرلیا، جس کی طرف یہ دعوت جانے والی تھی۔

سودا بازی کی ان مختلف مساعی سے مخالف طاقت یہ فائدہ اٹھانا چاہتی تھی کہ اگر حضور تحریک کے لئے نفوذ کی راہیں نکالنے یا استبداد کی بھٹی سے ساتھیوں کو بچانے کے لئے خم کھا جائیں تو بحیثیت اصولی تحریک کے ان کی دعوت کا زور ٹوٹ جائے گا اور اگر وہ بے لچک ہونے کا ثبوت دیں تو یہ پروپیگنڈا کیا جا سکے کہ دیکھو لوگو! ہم نے جھمیلا ختم کرنے کے لئے کتنی ہی چیزوں کی پیش کش کی اور کتنے ہی راستے نکالے مگر یہ شخص ایسی ضد میں پڑا ہے کہ کسی حل کو قبول ہی نہیں کرتا۔ پوزیشن واقعی بڑی نازک تھی، اسی لئے قرآن

حضورؐ کو ان سودا بازیوں کے مقابلے پر مضبوط رکھنے کے لئے پے در پے انتباہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک بار تو بڑے شدید انداز میں مخالفین کی اس چال سے بچنے کی تلقین بھی کی اور اس بارے میں حفاظتِ الٰہی کا یقین بھی دلایا۔ فرمایا:۔

''اور اگر ہم تم کو مضبوطی سے جمائے نہ رکھتے تو بعید نہ تھا کہ تم ان کی طرف کسی قدر جھکاؤ دکھا دیتے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (اپنی گرفت) کا مزہ چکھا دیتے۔ پھر تم ہمارے مقابلے پر کسی کو مددگار نہ پاتے۔'' (بنی اسرائیل: ۷۴۔۷۵)

غرض یہ کہ بڑی حکمت اور بڑے صبر و تحمل سے حضورؐ نے تحریک کو سودے بازی کی ان کوششوں سے بچا کر نکالا۔

تشدد اپنے جوبن پر

مخالفینِ حق نیتوں کے لحاظ سے کھوٹے اور دلیل کے لحاظ سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اصل مسئلہ اپنے مفاد اور اپنے اقتدار کا ہوتا ہے۔ وہ کسی دعوت کے اُٹھتے پر قوت کے سارے ہتھیار سنبھال لیتے ہیں اور دلیل کا جواب تشدد سے دیتے ہیں۔ حق کی تحریک انسانی قوائے فکر کے بَل پر کام کرتی ہے مگر مخالفین جذباتِ غیظ وغضب کام میں لاتے ہیں۔ تبدیلی کے لیے کوئی جنبش بھی اگر کسی طاقت نے نظامِ وقت کے خلاف کی ہے تو اسے خدایانِ معاشرہ کے ہاتھوں مار کھانی پڑی ہے لیکن حق کی دعوت جس ہمہ گیر تبدیلی کی اذان ہے۔ اس کے ردعمل میں تو لازماً ایک شدید ہسٹریائی دورہ نظامِ رائج کے پاسبانوں کو پڑتا ہے۔ یہی صورت مکہ میں درپیش تھی۔ یوں تو دعوتِ عام کی ابتدا کے ساتھ ہی تشدد کا آغاز بھی ہوگیا تھا لیکن آہستہ آہستہ نظام

جاہلی کا پارہ چڑھتا گیا اور ظلم کے دریا کی موجیں بپھرتی چلی گئیں۔ پانچ چھ برس کے اندر اندر گویا مکہ نئے نظام امن و رحمت کے علمبرداروں کے لیے ایک گرم بھٹی بن گیا اور یہ بھٹی حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات کے بعد اپنی آنچ کے لحاظ سے پورے جوبن پر آ گئی۔ کوئی نہ تھا جو اس بھٹی میں نہ تپایا گیا ہو مگر خوب اچھی طرح جل جل کر اور تپ تپ کر اور پگھل پگھل کر اسلامی جماعت کے افراد اکھرا سونا ثابت ہوئے۔ اس بھٹی کی آنچ کا سب سے بڑا حصہ تو تحریک کے لیڈر۔۔۔ محمد صلعم۔۔۔ کے حصے میں آیا۔ لیکن آپؐ کے رفقاء پر بھی جو کچھ بیتی ہے اسے تاریخ کے ذریعے ہم پوری طرح کہاں جان سکتے ہیں اور کیسے محسوس کر سکتے ہیں۔ تاہم تاریخ کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہم دشمنان حق کے محاذ تشدد کا بالکل ہی مجمل

تذکرہ کرنے کی گنجائش رکھتے ہیں۔

براہِ راست آنحضورؐ کے خلاف تو ہر ہر گھڑی اور ہر ہر سانس کو نا کوں زیادتیاں کی ہی جاتی رہیں۔ لیکن آپؐ کے رفقاء کو جو اذیتیں دی جاتی تھیں وہ بھی بالواسطہ آپؐ ہی کے حساس قلب کو چھلنی کرنے والی تھیں۔ اب دیکھئے کہ کس پر کیا گزری؟

جناب بن الارث تمیمی جاہلیت کے دور میں غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے تھے اور اُمّ نُمار نے ان کو خریدا تھا۔ یہ اس وقت ایمان لائے جبکہ خانہ ارقم تحریکِ اسلامی کا مرکز تھا اور وہیں سے آنحضرتؐ سارا جماعتی نظم چلا رہے تھے۔ قریش نے جلتے انگارے بچھا کر ان کو بسترِ آتشیں پر لٹایا اور چھاتی پر ایک شخص کھڑا ہو گیا تا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ انگارے پیٹھ کے نیچے ہی ٹھنڈے ہو گئے۔ بعد میں جناب نے

حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ پیٹھ دکھائی تو برص کی طرح کے سفید داغ اس پر نمایاں تھے۔ پیشے کے لحاظ سے یہ لوہار تھے۔ اسلام لانے کے بعد جب انہوں نے لوگوں سے واجب الوصول اُجرتوں کا تقاضا کیا تو جواب ملا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کرو گے ایک کوڑی بھی نہیں ملے گی۔ یہ گویا معاشی چوٹ لگائی جارہی تھی مگر حق کا یہ سپاہی کہتا ہے کہ تم لوگ جب تک مر کر زندہ نہ ہو جاؤ ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت بلال حبشیؓ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب سورج ٹھیک نصف النہار پر آجاتا تو عرب کی تپتی ریت پر ان کو لٹایا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ امیہ اس حالت میں ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آجاؤ۔ ورنہ اسی طرح ختم ہو جاؤ گے۔ حضرت بلالؓ جواب میں صرف "احد احد" پکارتے۔ اُمیہ کا

غصہ اور بھڑک اٹھا۔ اس نے آپ کے گلے میں رسی ڈال کر شہر کے لونڈوں کو ساتھ لگا دیا۔ وہ آپ کو گلی گلی گھسیٹتے پھرتے لیکن یہ عاشق جانباز اسی طرح احد! احد! پکارتا پھرا۔ کبھی آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹا جاتا، کبھی آہنی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھا دیا جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمیہ بن خلف سے ایک غلام کے عوض میں خرید کر آزاد کر دیا۔

عمار بن یاسر قحطانی الاصل تھے۔ ان کے والد یاسر یمن سے اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں آئے تھے۔ دو بھائی تو واپس چلے گئے اور یاسر ابوحذیفہ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے مکہ ہی میں رہ پڑے اور یہیں شادی کر لی۔ یاسر سمیت تقریباً سارا ہی گھرانا اسلام لے آیا۔ چونکہ عمار بن یاسر کا کوئی قبیلہ مکہ میں نہ تھا اس لیے ان پر خوب ستم ڈھائے جاتے۔ انہیں قبولِ

اسلام کے جُرم کی سزا یوں دی جاتی اور اس قدر مارا پیٹا جاتا کہ جلتی زمین پر لٹایا جاتا اور قریش ان کو اتنا مارتے کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ ان کے والدین پر بھی اسی طرح ستم آزمائی کی جاتی۔ پانی میں بھی غوطے دیئے جاتے اور انگاروں پر بھی تڑپایا جاتا۔ حضورؐ ان کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر خاص دعا کرتے اور بشارت دیتے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرماتے کہ عمارؓ سر سے پیر تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔

سُمیّہ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کے اسلام لانے پر ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریق سے برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہی اولین جان ہے جو راہِ حق میں شہید ہوئی۔

یاسر جو حضرت عمارؓ کے والد تھے، وہ بھی ظلم سہتے سہتے شہید ہو گئے۔

صہیبؓ بھی عمارؓ کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اس بے دردی سے مارا جاتا تھا کہ دماغی توازن بار بار درہم برہم ہوجاتا۔ دورِ ہجرت میں قریش نے ان کو اس شرط پر مدینہ جانے کی اجازت دی کہ اپنا سارا مال و اسباب دے جائیں۔ انہوں نے بخوشی منظور کیا اور خالی ہاتھ نکل گئے۔

ابوفکیہہ جھنی صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے اور اسلام لانے میں حضرت بلالؓ کے ہمعصر۔ اُمیہ کو اطلاع ہوئی تو پاؤں میں رسی ڈلوا کر لوگوں سے کہا کہ تپتی ریت پر لٹانے کے لیے گھسیٹ کر لے جاؤ۔ راستے میں ایک گبریلا دکھائی دیا تو اُمیہ نے ان سے کہا کہ ”یہی تو تیرا خدا نہیں۔“ انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر اُمیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا مگر بچ گئے۔ ایک بار

اتنا بھاری پتھر ان کے سینے پر لاد دیا کہ بے حال ہو جانے کی وجہ سے زبان باہر نکل آئی۔ کبھی ان کو لوہے کی بیڑیاں پہنا کر جلتی زمین پر الٹا لٹایا جاتا۔ ان کو بھی حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کرا دیا۔

لبینہ ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمر اس کو نہایت ظالمانہ طریق سے مارتے۔ تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کھا کر نہیں بلکہ تھک جانے کی وجہ سے تجھے چھوڑ دیا ہے۔

زنیرہ حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ اس لیے حضرت عمر پوری بے دردی سے مارتے تھے۔ ابوجہل نے ان کو ایک مرتبہ اس جاہلانہ شان سے مارا کہ آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے ایمان کی برکت سے بطور خاص فضل و کرم کے اللہ تعالیٰ نے یکایک بینائی لوٹا دی۔ ان کو بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر

آزاد کرایا۔

نہدیہ اور امّ عمیس بھی دونوں کنیزیں تھیں اور انہوں نے بھی انتہائی سخت ظلم سہے ہیں۔

حضرت عثمان جو عمر کے لحاظ سے بھی قابل احترام تھے اور مال و جاہ بھی رکھتے تھے۔ جب اسلام لائے تو ان کے اپنے چچا نے رسی سے باندھ کر پیٹا۔

حضرت ابوذر نے اسلام لاتے ہی کعبہ میں آ کر اعلان کیا۔ قریش ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے آپ کو زمین پر لٹا دیا۔

حضرت زبیر بن العوام کو اسلام لانے کی سزا دینے کے لیے ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے تھے۔ مگر وہ پوری عزیمت سے فرماتے ''میں کفر تو اب

ہرگز نہیں کروں گا۔"

سعد بن زید کو (یہ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی تھے) حضرت عمرؓ نے رسیوں سے باندھ دیا۔

سعد بن وقاص کے ساتھ بھی ظالمانہ کارروائیاں روا رکھی گئیں۔

عبداللہ بن مسعود نے اسلام لانے پر حرم میں پہلی مرتبہ بآواز بلند قرآن پڑھا۔ سورہ رحمٰن کی تلاوت آپ نے شروع ہی کی تھی کہ کفار ٹوٹ پڑے اور منہ پر طمانچے مارنے لگے۔ مگر پھر بھی تلاوت جاری رکھی اور زخمی چہرے کے ساتھ واپس ہوئے۔

عثمان بن مظعون، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں ہونے کی وجہ سے ابتداً مامون تھے۔ لیکن رسولِ خدا کے

اصحاب پر جو امتحانی گھڑیاں گزر رہی تھیں ان کو دیکھ کر عثمان کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ میں ایک مشرک کے سایۂ حمایت میں امن چین سے کیوں رہوں جبکہ میرے ساتھی یہ کچھ بھگت رہے ہیں۔ انہوں نے ولید بن مغیرہ سے بات کی کہ میں پناہ واپس کرتا ہوں۔ ولید نے سمجھایا کہ "بھتیجے میری قوم کا کوئی فرد تمہارے ساتھ بدسلوکی نہ کر بیٹھے۔" انہوں نے کہا کہ میں تو اللہ کی پناہ میں رہوں گا اور اس کے ماسوا اور کسی کی پناہ مجھے گوارا نہیں۔ کعبہ میں جا کر انہوں نے بآواز بلند ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کرنے کا اعلان کیا اور اس کے بعد قریش کی مجلس میں جا بیٹھے۔ لبید نے مصرع پڑھا۔ الا کل شئی ما خلا اللہ باطل۔ عثمان بولے۔ تم نے سچ کہا۔ اس نے دوسرا مصرع پڑھا۔ و کل نعیم لا محالۃ زائل۔ انہوں نے کہا۔ یہ بات تم نے غلط کہی ہے۔ جنت کی

نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی۔ لبید کا خون کھول گیا کہ یہ جسارت کس کی ہے۔ بولا۔ اے قریش! کون ہے جو تمہارے ہم نشین سے ایسی بدسلوکی کرتا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ احمقوں میں سے ایک احمق ہے جنہوں نے ہمارے دین سے روگردانی کر لی ہے۔ سو اس کی بات کا زیادہ احساس نہ کرو۔ عثمان بھی چُپ نہ رہ سکے۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر وہی شخص اُٹھا اور اس نے عثمان بن مظعون کو ایک ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اس پر ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم اگر میری پناہ میں رہتے تو آنکھ سے یوں ہاتھ نہ دھو بیٹھتے۔ عثمان نے جواب دیا کہ میری جو آنکھ بچ رہی ہے وہ بھی قربان ہونے کو تیار ہے۔ میں اس ہستی کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت و مقدرت ہے۔

حضرت ابوذر نے دعوتِ حق کو قبول کیا تو انقلابی

روح سے سرشار ہو کر سیدھے حرم پہنچے اور وہاں جا کر بآواز بلند اپنے نئے عقیدے کا اعلان کیا۔ قریش سٹ پٹا گئے اور کہنے لگے کہ یہ کون بے دین ہے مارو اسے۔ چنانچہ مار پیٹ شروع ہوگئی۔ ارادے یہ تھے کہ ان کو جان سے مار دیا جائے مگر حضورؐ کے چچا عباس کا اتفاقاً گزر ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور تمہیں تجارت کے لیے اسی قبیلہ کی حدود سے ہو کر جانا ہوتا ہے۔ کچھ ہوش کرو۔ لوگ باز آ گئے۔ دوسرے روز انہوں نے پھر عقیدے کا اعلان کیا اور پھر مار کھائی۔

حضرت اُمّ شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے انہیں چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ اس حالت میں وہ ان کو کھانے کے لیے روٹی کے ساتھ شہد دیتے اور پانی نہ پلاتے تا کہ حدت کا دوگونہ عذاب بھگتیں۔ تین

دن مسلسل اسی عالم میں گزر گئے۔ انتہائی کرب کے لمحوں میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ اسلام چھوڑ دو۔ ان کے حواس اس درجہ مختل ہو چکے تھے کہ وہ اس بات کو سمجھ تک نہ سکتی تھیں۔ پھر ظالموں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خدائے واحد کا انکار کرو۔ جب وہ مدعا سمجھ گئیں تو کہا کہ خدا کی قسم! میں تو اپنے عقیدہ پر قائم ہوں۔

خالدؓ بن العاص کے قبول اسلام پر ان کے باپ نے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا۔ ان کو فاقہ کا عذاب بھی دیا گیا۔

غرض یہ کہ کون تھا جسے اس بھٹی میں نہ ڈالا گیا ہو۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا حکم بن العاص نے رسیوں میں جکڑ دیا۔ یہی سلوک جناب ابوبکرؓ اور طلحہؓ کے ساتھ ہوا۔ ولیدؓ بن ولید، عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور سلمہؓ بن ہشام کو انتہائی

اذیتیں دی گئیں اور پھر ان کو ہجرت سے بھی روکا گیا۔ جور و استبداد کا انتہائی مظاہرہ وہ بھی تھا جو اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حضرت عمر نے روا رکھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ایک طرف اس زہرہ گداز سلسلہ تشدد کو دیکھئے اور دوسری طرف تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کی استقامت ملاحظہ فرمایئے کہ مرد، عورتیں، غلام اور لونڈیاں جو بھی اس مے حق سے سرشار ہو گیا پھر اس کا قدم پیچھے نہیں ہٹا۔ مظالم کسی ایک فرد کو بھی ارتداد کی راہ پر نہ ڈال سکے۔ صحیح معنوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انقلابی رَو اُن ہستیوں کے ذہنوں پر دوڑ رہی تھی اور ان کے صبر نے استبداد کو بالکل شکست دے دی جو کوئی اسلام کی پکار پر لبیک کہہ دیتا۔ اس کے اندر سے ایک بالکل نیا انسان نمودار ہو جاتا اور اس کے سینے میں

نئی قوتیں جاگ اُٹھتیں۔

ہجرتِ حبشہ

ہر برداشت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ امتحان کی جن کٹھن گھڑیوں سے تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کو سابقہ درپیش تھا ان کو سہارنے میں انہوں نے ہمیشہ کے لیے یادگاری نمونہ قائم کردیا۔ لیکن ظلم و استبداد کی رسوکہیں تھمنے میں نہیں آرہی تھی، بلکہ روز بروز زور پکڑتی جارہی تھی۔ حضورؐ اپنے رفقاء کا حال دیکھ دیکھ کر کڑھتے مگر کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ سہارا تھا تو خدا کے ایمان کا تھا، آخرت کے یقین کا تھا۔ سچائی کی آخری فتح کی قوی امیدوں کا تھا۔ سوز بھری دعاؤں کا تھا۔ حضورؐ اپنے رفیقوں کو تسلی دلاتے کہ خدا کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔ بظاہر مکہ کی فضا یاس انگیز ہوتی جارہی

تھی اور اس امر کے آثار بالکل نہیں تھے کہ تحریکِ اسلامی کا شجرۂ طیبہ اس سنگلاخ زمین میں برگ و بار لا سکے گا۔ حالات بتا رہے تھے کہ نظامِ حق کی تاسیس یہاں نہیں ہونے کی۔ بلکہ کسی دوسرے گوشۂ سرزمین کو یہ سعادت ملنے والی ہے۔ تحریکِ اسلامی کی تاریخ میں پہلے بھی ہمیشہ ہجرت کا باب ضرور شامل رہا ہے۔ سو اندازہ ہو چلا تھا کہ محسنؐ انسانیت اور اُن کے رفیقوں کو بھی وطن چھوڑنا ہوگا۔ ایک ہمہ گیر بن الانسانی دعوت اگرچہ کسی خاص ملک اور قوم میں ہی ابتدا کرتی ہے لیکن وہ وطن پرستی اور قوم پرستی سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک علاقے کے لوگ اگر نااہل ثابت ہوں تو وہ کسی دوسری آبادی کو مخاطب بنا لیتی ہے لیکن جب تک خدا کی طرف سے واضح طور پر اِذن نہ ہو جائے، انبیاء کی یہ شان نہیں ہوتی کہ اوّلین مرکزِ دعوت کو چھوڑ دیں۔ تاہم حضورؐ جبر

اور صبر کی آویزش کو ایسے مراحل میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے جہاں انسانی صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ مسلمان بے چین تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ ان حالات میں حضورؐ نے صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ ''زمین میں کہیں نکل جاؤ۔ خدا جلد ہی تم کو کسی جگہ یکجا کر دے گا۔'' پوچھا گیا کہ کدھر جائیں۔ حضورؐ نے ملکِ حبش کی طرف اشارہ کیا۔ دراصل رسولؐ خدا کے علم میں تھا کہ وہاں کی بادشاہت انصاف پر قائم ہے اور عیسائیت کی مذہبی بنیادوں پر چل رہی ہے۔ آپؐ کے سامنے یہ امکان تھا کہ شاید یہی علاقہ دارالہجرت بننے کے لیے موزوں ہو۔ اسی لیے آپؐ نے اس ملک کے بارے میں فرمایا: ''ھی ارض صدق۔'' (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۳۴۳) (وہ سرزمین راستی ہے)

نبوت کے پانچویں سال حضورؐ کی انقلابی جماعت

سے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ حضرت عثمان بن عفان کی زیر قیادت رات کی تاریکی میں حبشہ کو روانہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ یعنی رسولؐ خدا کی صاحبزادی جناب رقیہ بھی اس اوّلین سفر ہجرت پر نکلیں۔ حضورؐ نے اس مبارک جوڑے کے متعلق فرمایا۔ لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے خدا کی راہ میں وطن چھوڑا۔ (المواہب اللدنیہ ج ا ص ا۵ و رحمۃ للعالمین ج ا ص ۷۱)

اس قافلے کے نکلنے کے بعد جب قریش کو خبر ہوئی تو تعاقب میں آدمی دوڑائے مگر جب وہ بندرگاہ (جدہ) پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کو عین وقت پر کشتیاں تیار مل گئی تھیں اور وہ رسائی سے باہر ہیں۔ یہ مہاجرین تھوڑا ہی عرصہ (رجب شوال تک) حبشہ میں ٹھہرے۔ ایک افواہ پہنچی کہ قریش نے

اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سب پلٹ آئے۔ مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ افواہ غلط تھی۔ اب سخت مشکل پیش آ گئی۔ کچھ لوگ چھپ کر شہر میں آئے اور کچھ کسی کی حمایت حاصل کر کے داخل ہوئے۔ اس طرح لوٹ آنے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ پہلے سے بڑھ کر استبداد ہونے لگا۔

دوبارہ بہت بڑا قافلہ جس میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں شامل تھیں حبشہ جا پہنچا وہاں ان کو پُرامن فضا ملی، اور وہ اطمینان سے اسلام کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔

اب دیکھئے کہ دشمنانِ حق کا کینہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ ان لوگوں نے ایک مجلس میں سارے معاملے پر غور کر کے منصوبہ بنایا اور عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارت کے لیے مامور کیا کہ یہ شاہِ حبش سے جا کر بات

کریں اور مہاجرین کو واپس لائیں۔ اس مقصد کے لیے نجاشی اور اس کے درباریوں کے لیے گراں بہا تحائف تیار کیے گئے اور بڑے سروسامان کے ساتھ سفارت روانہ ہوئی۔ حبش پہنچ کر یہ لوگ درباریوں اور پادریوں سے سازش کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کو رشوتیں دیں۔ ان کے سامنے معاملے کی یہ صورت رکھی کہ ہمارے شہر میں چند سر پھرے لوگوں نے ایک مذہبی فتنہ اُٹھا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ تمہارے مذہب کے لیے بھی اتنا ہی خطرناک ہے جتنا ہمارے آبائی دھرم کے لیے۔ ہم نے ان کو نکال دیا تھا تو اب یہ یہاں آپ کی پناہ میں آپڑے ہیں۔ ان کو یہاں ٹکنے نہیں دینا چاہیے۔ اس مقصد میں آپ ہم سے تعاون کریں۔ ان کی اصل کوشش یہ تھی کہ دربار میں سارا قضیہ زیر بحث نہ آنے پائے اور مہاجرین کو سرے سے بات

کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ بادشاہ یک طرفہ بات سن کر ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ اسی مقصد کے لیے رشوت اور سازباز کے طریقے اختیار کیے گئے تھے۔ یہ لوگ جب درباریوں اور پادریوں کو روغن قازل چکے تو نجاشی کے سامنے تحائف لے کر پیش ہوئے۔ پھر اپنی عرض بیان کی کہ مکہ کے اشراف نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ہمارے آدمیوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔ درباریوں اور پادریوں نے بھی تائید کی مگر نجاشی نے یک طرفہ دعوے پر کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور صاف کہا کہ ان لوگوں سے دریافت احوال کیے بغیر اُن کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

دوسرے دن دربار میں دونوں فریق طلب کئے گئے۔ مسلمانوں کو جب طلبی کا پیغام پہنچا تو ان کے درمیان

مشورہ ہوا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور ہم لوگ اپنے اعتقاد اور
مسلک میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں آخر کیا کہا جائے۔
لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ ہم دربار میں وہی کچھ کہیں گے جو خدا
کے نبیؐ نے ہم کو سکھایا ہے، اور اس میں ایک سرمو فرق نہ
لائیں گے ...... جو ہو سو ہو ...... اندازہ کیجئے کہ ان لوگوں کا
ایمان کیسا محکم تھا۔ اتنے سنگین حالات میں حق اور راستی پر
قائم رہنے کا عزم خدا کی دین ہے۔ پھر جب یہ حضرات
دربار میں پہنچے تو مقررہ آداب کے مطابق نجاشی کو سجدہ سے
اجتناب کیا۔ درباریوں نے اس طرز عمل پر برا منایا اور
سوال کیا گیا کہ آخر تم لوگوں نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ حضرت
جعفرؓ (معلم وفد) نے پوری جرأت سے جواب دیا کہ ہم
لوگ سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور خود رسول اللہؐ کو
بھی سیدھے سادے طریق سے سلام ہی کہتے ہیں۔ غور

سکیئے۔ کن نازک حالات میں بچی توحید کا یہ انقلابی مظاہرہ کیا جارہا تھا۔ حریف جس طاقت کے سامنے چاپلوسی کررہے تھے، یہ لوگ اس کے روبرو اصول پسندانہ خودداری کا رنگ دکھارہے تھے۔

اب سفارت مکہ نے دعویٰ پیش کیا کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں۔انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان اٹھا کھڑا کیا ہے، لہٰذا ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور عیسائیت اور بت پرستی کے علاوہ وہ کون سا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے۔

حضرت جعفرؓ مسلمانوں کی طرف سے ترجمان بن کر اٹھے اور نجاشی سے اجازت طلب کی کہ پہلے وہ سفارتِ مکہ سے کچھ سوالات کرلیں۔اجازت ملنے پر یوں مکالمہ ہوا:

حضرت جعفر : ''کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ آئے ہوں؟ اگر ایسا ہو تو ہمیں واپس کیا جانا چاہئے۔''

عمرو بن العاص : ''نہیں، یہ لوگ کسی کے غلام نہیں، آزاد شرفا ہیں۔''

حضرت جعفر : ''کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر کے آئے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو آپ ہمیں اولیائے مقتول کے حوالے کر دیں۔''

عمرو بن العاص : ''نہیں، انہوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔''

حضرت جعفر : ''کیا ہم کسی کا کچھ مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو ہم اس کی ادائیگی کرنے کو تیار ہیں''

عمرو بن العاص : ''نہیں، ان کے ذمہ کسی کا ایک ہبہ بھی نہیں۔''

اس جرح سے جب مسلمانوں کی اخلاقی پوزیشن پوری طرح صاف ہوگئی تو حضرت جعفر نے یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے ،مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جایا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت ت سچائی اور دیانت سے ہم لوگ پہلے سے آگاہ تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں،

روزے رکھیں، صدقہ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے، شرک

اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس

جرم میں ہماری قوم ہماری جانوں کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور

کرتی ہے کہ ہم پھر اسی گمراہی میں لوٹ آئیں۔ پس ہم اپنا

ایمان اور اپنی جانیں لے کر آپ کی طرف بھاگ کر آئے

ہیں۔ اگر ہماری قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے۔

یہ ہے ہماری روداد!''

بات سچی ہو اور کہنے والا دلی جذبات کے ساتھ

اسے کہے تو لازماً اثر کرتی ہے۔ نجاشی جیسے خدا ترس بادشاہ کا

دل موم ہوگیا۔ کہنے لگا کہ ذرا اس کتاب کا بھی کوئی حصہ سناؤ جو

تم لوگوں پر اتری ہے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کا

ایک حصہ پڑھا۔ آیاتِ الٰہی کو سن کر بادشاہ کے دل پر رقت

طاری ہوگئی۔ اس کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ وہ بے اختیار

پکار اٹھا: ''خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں'' بلکہ اس پر مستزاد یہ کہا کہ ''محمد تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے رسول کا زمانہ ملا۔'' ساتھ ہی یہ فیصلہ دیا کہ مہاجرین کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ کارروائی ختم ہوگئی اور سفارت ناکام لوٹی۔ بعد میں ان لوگوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک کوشش اور کی جانی چاہئے۔ نجاشی عیسائی ہے اور اگر حضرت عیسیٰ کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ دربار میں نمایاں کرایا جائے تو ممکن ہے کہ شاہ کے اندر مذہبی تعصب کی آگ بھڑک اٹھے!

دوسرے دن عمرو بن العاص پھر دربار میں پہنچے اور نجاشی کے کان بھرنے کے لئے یہ الزام تراشا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت خراب عقیدہ

رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو طلب کر لیا۔ ان کو جب صورتِ حال معلوم ہوئی تو کچھ تردد ہوا کہ عیسیٰ کے "ابن اللہ" ہونے کا انکار کرنے پر نجاشی کا ردِ عمل نہ جانے کیا ہو، لیکن عزیمت نے کہا کہ جو امرِ حق ہے، اسے صاف صاف پیش کر دو۔ حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں کہا کہ:-

"ہمارے پیغمبرؐ نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور پیغمبر ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں۔"

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ واللہ! جو تم نے کہا ہے کہ عیسیٰ اس سے اس تنکے بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ پادری جو سازش کا شکار اور رشوت اور ہدایا سے مسخر تھے دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے نتھنوں سے سانس کی خرخراہٹ سنائی دینے لگی۔ نجاشی نے ان کی کچھ پروا نہ کی۔ حکم دیا کہ تمام تحائف

واپس کر دیے جائیں۔ مکہ کا وفد پوری طرح خائب و خاسر ہو کر لوٹا۔

عمر مفتوح ہو جاتے ہیں

تشدد کی اس داستان کا وہ باب سب سے ممتاز ہے جو حضرت عمرؓ کے غیظ و غضب سے مرتب ہوا تھا۔ عمرؓ ستائیسویں سال میں تھے جبکہ نبوت محمدیؐ کا علم بلند ہوا۔ اسلام جلد ہی آپ کے گھرانے میں نفوذ کر گیا۔ آپ کے بہنوئی سعید پہلے پہل اسلام لائے۔ ان کے اثر سے آپ کی بہن فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ خاندان کی ایک اور باثر شخصیت نعیم بن عبداللہ نے بھی دعوتِ حق پر لبیک کہی۔ اول اول ان کو اسلام کے نفوذ کا حال معلوم نہیں ہو سکا جونہی علم ہوا آپے سے باہر ہو گئے اور اسلام لانے والوں کے دشمن بن

گئے ۔لبینہ ان کے خاندان کی کنیز تھیں ۔ان کو مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو دم لینے کے لئے دم بھر کو رک جاتے ،پھر تازہ دم ہو کر مارنا شروع کر دیتے۔

آخر ایک دن تہیہ کر لیا کہ کیوں نہ اصل داعی حق ہی پر ہاتھ صاف کیا جائے ۔اس کا ایک محرک تاریخی روایات میں بھی بیان ہوا ہے کہ ابوجہل نے رسول خدا کے قتل کرنے والے کے لئے انہی دنوں سو اونٹ کا انعام مقرر کیا تھا،لیکن حضرت عمرؓ کے مزاج سے بعید ہے کہ وہ ایسے لالچ کا شکار ہوئے ہوں ۔قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ اس اقدام کو ایک اخلاقی فرض اور اپنے آبائی دین کی خدمت سمجھ کر کرنا چاہتے تھے ۔بہر حال وہ تلوار لے کر چلے ۔راستے میں نعیم بن عبداللہ سے مڈبھیڑ ہوگئی ۔انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور بہن بہنوئی سے نمٹ لو۔پھر کسی وار طرف جانا۔

فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ آہٹ ہوئی تو خاموش ہوگئیں اور قرآن کے اوراق چھپالئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا پڑھا جارہا تھا۔ بہن نے ٹالا۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو چکے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی پر ٹوٹ پڑے۔ بہن بیچ بچاؤ کے لئے آئیں تو ان کو مارا، ان کا جسم لہولہان ہوگیا لیکن ڈبڈبائی آنکھوں سے عزیمت مندانہ انداز سے کہنے لگیں:-

''عمرؓ! جو کچھ کر سکتے ہو کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا''۔

ایک خاتون اور وہ بھی بہن۔ ایک پیکر جذبات! جسم زخمی! کپڑے خون آلود، آنکھوں میں آنسو، اور زبان پر یہ عزیمت مندانہ بول! اندازہ کیجئے کہ اسلام نے کیسی روح نوخواتین تک کے اندر پیدا کردی تھی۔ عمرؓ کی قاہرانہ طاقت

نے اس مظلومانہ منظر کے سامنے ہار مان لی۔ ہیرے کا جگر پھول کی پتی سے کٹ گیا، فرمایا: ''جو تم پڑھ رہی تھیں مجھے بھی لاکر سناؤ۔ وہ گئیں اور اجزائے قرآن نکال لائیں۔ جب یہ الفاظ سامنے آئے کہ '' امنوا باللہ و رسولہ'' تو بے اختیار پکار اٹھے: ''اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا عبدہ و رسولہ ''۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر تحریک حق کے مرکز خانہ ارقم کی طرف چلے۔ وہاں جا کر خدا کے رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس واقعہ پر مسلمانوں نے مارے خوشی کے ایسا نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کا سارا ماحول گونج اٹھا۔ داعیان حق اٹھے اور مکہ میں پھیل گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی قوت بڑھ گئی ہے۔ حضرت عمرؓ کے ایمان لاتے ہی کعبہ میں پہلی مرتبہ علانیہ نماز باجماعت کی ادائیگی کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت عمرؓ مکہ کے نوجوانوں میں اپنے جوش اور ذہانت کی وجہ سے امتیازی مقام رکھتے تھے۔ ان کا کردار روح اخلاص سے مملوتھا۔ وہ جاہلیت کے دور میں تھے تو پورے خلوص سے تحریک اسلامی کے دشمن تھے نہ کہ کسی ذاتی مفاد کی بناء پر اور جب حقیقت کھل گئی اور فطرتِ سلیمہ سے پردے اُٹھ گئے تو پوری شانِ اخلاص سے تحریکِ اسلامی کا علَم اونچا کردیا۔ ان کے جوشِ مخالفت کا اندازہ اگرچہ بے حد طوفانی تھا مگر ان کی ذہانت اور ان کی فطرتِ سلیمہ برابر حقیقت کی روشنی جذب کرتی رہی۔ مکہ کی فضاء میں جو مدوجزر ہورہا تھا۔ اس کی لہر سے وہ متاثر ہوتے رہے اور یکے بعد دیگرے بہت سے واقعات نے ان کے دل کو قبولِ حق کے لئے تیار کردیا۔ ایک طرف روز دعوت حق کے چرچے ان تک پہنچتے ہوں گے۔ دوسری طرف اس کے

مخالفین کی ذہنی پستیاں ان پر نمایاں ہوتی ہوں گی، پھر ایک طرف وہ اس کردار کو دیکھتے ہوں گے جو محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقائے دعوت پیش کر رہے تھے اور دوسری طرف انسانی سیرت کی وہ تاریکیاں ان کی نظروں سے گزرتی ہوں گی جن میں مخالفین اسلام ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر صبح اور ہر شام یہ تقابلی منظر مکہ کے اس بیدار دل نوجوان پر اثر انداز ہوتے ہوں گے لیکن اس عمومی صورتِ حال کے علاوہ بعض خاص واقعات نے بھی کام کیا تھا۔

مثلاً ام عبداللہ بنت ابی حشمہ ہجرت حبشہ کی تیاریوں میں تھیں کہ حضرت عمرؓ ان کے ہاں پہنچے، کہنے لگے: ''ام عبداللہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ چھوڑنے کی تیاری ہے؟'' ام عبداللہ نے جواب دیا: ''ہاں! بخدا ہم خدا کی زمین میں ہجرت کر کے نکل جانے والے ہیں۔ تم لوگوں نے ہمیں

بہت دکھ دیا ہے اور ہم پر استبداد ڈھایا تا آنکہ اب خدا ہمارے لئے کوئی راہِ نجات کھول دے''۔ عمرؓ کہنے لگے: ''خدا تمہارا ساتھی ہو۔'' ام عبداللہ کا بیان ہے کہ اس لمحے ان پر ایسی رقت طاری تھی جیسی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہماری ترکِ وطن کی تیاریوں کو دیکھ کر وہ حالتِ اندوہ میں چلے گئے ، اتنے میں عامر بن ربیعہ (ام عبداللہ کے شوہر) آ گئے۔ ام عبداللہ نے ان سے تذکرہ کیا کہ' کاش تم اس وقت عمرؓ کی رقت اور غمگینی دیکھتے جو ہماری وجہ سے ان پر طاری ہوئی ہے۔'' عامر کہنے لگے: ''کیا تمہیں اس سے اسلام لانے کی امید بندھ گئی ہے؟ ام عبداللہ نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے کہا: ''تم نے جسے دیکھا ہے وہ اس وقت تک اسلام نہیں لا سکتا جب تک کہ خطاب (حضرت عمرؓ کے والد کا نام) کا گدھا اسلام نہ لے آئے۔'' ام عبداللہ کہتی ہیں کہ

اسلام کے بارے میں ان کی قساوت اور سنگدلی کی وجہ سے اس درجہ کی ناامیدی تھی۔ (سیرت ابن ہشام، جلد:۱، ص:۳۶۵)

لیکن کسے معلوم کہ اس واقعہ نے احساس کا ایک نیا کانٹا عمرؓ کے دل میں نہ چبھو دیا ہوگا۔ اسی طرح ایک دوسری روایت بتاتی ہے کہ ان کا دل حضورؐ سے قرآن سن کر اثر پذیر ہوا۔

ان کا اپنا بیان ہے کہ:-

''میں اسلام سے بہت دور تھا، دورِ جہالت میں خوگر صہبا تھا۔ شراب سے رغبت تھی اور خوب پیتا تھا۔ حزورہ (اس زمانے میں یہ مکہ کا ایک بازار تھا۔ اب وہی قطعہ زمین مسجد میں شامل ہے) میں ہماری محفل جمی تھی جس میں قریشی احباب

جمع ہوتے ۔ ایک رات میں اپنے انہی ہم نشینوں کی کشش میں اس مجلس میں پہنچا ۔ ان کو تلاش کیا مگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ملا ۔ پھر ایک شراب فروش کا خیال آیا کہ وہاں چل کر شراب پیوں ۔ اتفاق سے وہ بھی نہ ملا ، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ کعبہ کا رخ کروں اور سات یا ستر بار طواف کرلوں ۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ۔ آپ رکنِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان (شام یعنی بیت المقدس کے رخ) کھڑے تھے ۔ ارادہ ہوا کہ بخدا کیوں نہ آج سنا جائے کہ یہ شخص کیا کہتا ہے ۔ غلاف کعبہ کے اندر گھس کر آہستہ آہستہ قریب جا کر قرآن سنتا رہا ۔ میرے اور رسولِ خدا کے رمیان فقط غلافِ کعبہ ہی حائل تھا ۔ جب میں نے قرآن سنا تو میرا دل پگھل گیا اور میری آنکھیں ڈبڈبا آئیں ۔ اسی لمحے اسلام میرے

اندر داخل ہوگیا۔(سیرت ابن ہشام ، ج:۱، ص:۹۔۳۶۸)

بقیہ روایت یہ بتاتی ہے کہ عمرؓ اسی وقت حضورؐ کے پیچھے پیچھے گئے اور اسلام قبول کرلیا لیکن عملاً قبولِ اسلام کی وہی روایت صحیح ہے جس کی رُو سے آپ کے ذہن نے آخری پلٹی بہن کے ایمان اور صبر و استقامت سے متاثر ہوکر کھائی۔ اس روایت کا یہ جز اپنی جگہ اہم ہے کہ عمرؓ جیسی شخصیت بغیر اس کہ کہاں رہ سکتی تھی کہ بگوشِ خویش دعوتِ حق کو سنے اور اپنی رائے آپ قائم کرے۔ برسوں کے دورِ کشمکش میں ایسے واقعہ کا پیش آنا بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت عمرؓ نبی اکرمؐ کی زبان سے قرآن سننے پہنچے ہوں اور پھر آیاتِ الٰہی نے ایمان کا بیج ان کے قلب میں بو دیا ہو۔

قرآن کی مخالفت کرنے والے اور لوگ بھی بلکہ

اکابرین تک ایسے تھے کہ ذوق تجسس انہیں چوری چھپے اس

آسمانی نغمے کو سننے کے لئے لے آتا تھا، حالانکہ برسر عام

یہی لوگ کہا کرتے تھے کہ قلوبنا فی اکنۃ (ہمارے دل

ملفوف ہیں) (وفی اذاننا وقرا) ہمارے کان بہرے ہیں۔

مثلاً ایک ہی رات کو ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہسام

اور اخنس بن شریق چھپ کر حضورؐ کے گھر کے اردگرد قرآن

سن رہے تھے۔ اتفاق سے واپس ہونے لگے تو آمنا سامنا

ہوگیا۔ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ایسا نہ کرنا

چاہیئے، ورنہ اگر کوتاہ عقل عوام نے دیکھ لیا تو ان کے دلوں

میں خواہمخواہ بات بیٹھ جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ اگلی

رات وہ پھر آپہنچے اور پھر وہی باتیں ہوئیں اور وہی فیصلہ

طے پایا، مگر پھر رات آئی تو وہی قصہ دوہرایا گیا۔ بالآخر بڑا

تاکیدی عہد باندھا گیا کہ اب ایسی حرکت نہ ہونے پائے

گی ۔ اسی سلسلے میں یہ سوال اٹھا کہ ہر ایک کی کیا رائے ہے ۔

اس کلام کے متعلق جو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے

سنا گیا ہے ۔ سب نے کچھ نہ کچھ کہا اور سب سے آخر میں

ابو جہل تنک کر کہنے لگا کہ '' ہم اور بنو عبد مناف ہمیشہ حریف

رہے ۔ انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں

۔ انہوں نے خوں بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے ۔ انہوں نے

سخاوت کی تو ہم نے بھی کی ۔ یہاں تک کہ ہم ان کے ہمسر

ہو گئے تو اب وہ یہ کہنے پر اتر آئے ہیں کہ یہ ہمارا نبی ہے

جس پر آسمان سے وحی آتی ہے ۔ ہم ایسی بات آخر کیوں کر

قبول کر سکتے ہیں ۔ خدا کی قسم ! ہم اس پر ایمان نہیں لا سکتے

اور نہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں ۔ '' (سیرت ابن ہشام ،

ج : ا ، ص : ۸ ۔ ۳۳۷)

اس ضمنی قصے کو ہم نے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس

عمومی تجسس کا اندازہ کیا جا سکے جو کبھی نہ کبھی حضرت عمرؓ کو بھی رسولؐ خدا کے پاس کلامِ الٰہی بگوش خود سننے کے لئے لے گیا ہوگا۔

تحریکِ اسلامی کی نئی جست

بہر حال اسلام عمرؓ ایک بڑا واقعہ تھا جس کے پیچھے بہت سارے نئے محرکات کام کر رہے تھے۔ یہ واقعہ اس لحاظ سے اور بھی زیادہ بڑا اہم ہو جاتا ہے کہ دورِ تشدد کے نصف النہار میں یہ مردِ حق پسند آگے بڑھتا ہے۔ مخالف طاقت تشدد اس لئے ڈھا رہی تھی کہ لوگوں کو اسلام سے روکے لیکن وہی تشدد ان کے منصوبوں کے خلاف دلوں کو پگھلا رہا تھا۔ یہ صورتِ حالات اسلام کی صداقت پر بجائے خود قطعی شہادت ہے کہ جتنی زیادہ مزاحمتیں بڑھتی گئیں، اتنے ہی

بہترین دل و دماغ کے لوگ اس کے سامنے مفتوح ہوتے گئے۔ ہجرتِ حبشہ کے بعد کے دور میں مکہ اپنے آخری جواہر پارے پیش کر رہا تھا۔

عمرؓ جیسی شخصیت سچائی کے پیغام پر لبیک کہے اور پھر کوئی نیا مدوجزر پیدا نہ ہو، یہ کیسے ممکن تھا، انہوں نے تہیہ کر لیا کہ ایک بار فضاء کو چیلنج کر کے رہیں گے۔ ابن عمرؓ (جو اس وقت لڑکے تھے مگر معاملات کو سمجھتے تھے) کا بیان ہے" میرے والد عمرؓ جب ایمان لائے تو معلوم کیا کہ قریش کا کون سا آدمی بات کو اچھی طرح نشر کر سکتا ہے۔ انہیں جمیل بن معمر جمحی کا نام بتایا گیا ہے۔ وہ علی الصباح اس کے ہاں پہنچے اور میں بھی ساتھ گیا کہ دیکھوں کیا کرتے ہیں۔ اس سے جا کر کہنے لگے کہ اے جمیل! تمہیں معلوم ہے کہ میں اسلام لا چکا ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں

شامل ہو گیا ہوں۔ وہ اپنی چادر تھامتے ہوئے مسجدِ حرم کے دروازے پر پہنچا اور وہاں گلا پھاڑ کر اعلان کیا کہ اے گروہِ قریش! سنو! عمر بن خطاب صابی ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی پیچھے سے آ پہنچے اور انہوں نے پکار کر کہا: ''غلط کہتا ہے، مَیں مسلمان ہو گیا ہوں اور مَیں نے اعلان کیا ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' اہلِ قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ والد سے خوب لڑے اور والد ان سے لڑے اور اسی ہاتھا پائی میں سورج سر پر آ گیا۔ اسی اثنا میں ایک قریشی سردار یمنی حلہ اوڑھے ہوئے نمودار ہوا اور اس نے پوچھا قصہ کیا ہے؟ اس نے بات سنی اور کہا کہ ''اس شخص نے اپنے لئے ایک راستہ پسند کر لیا ہے تو اب تم کیا چاہتے ہو؟ سوچو تو سہی کہ کیا بنو عدی بن کعب اپنے آدمی کو یوں تمہارے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں، چھوڑ دو

لے۔" یہ تھے عاص بن وائل سہمی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۱۔۳۷۰)

اسی کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے جوش ایمانی نے اپنے اظہار کا ایک راستہ اور بھی نکالا۔ انہوں نے ایمان لانے کی پہلی ہی رات کو سوچا کہ رسولؐ خدا کی مخالفت میں انتہائی متشدد کون ہے؟ معلوم ہوا کہ ابوجہل سے بڑھ کر سخت کوئی دوسرا نہیں۔ صبح ہوتے ہی ابوجہل کے ہاں بھی جا پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، ابوجہل نکلا اور خوش آمدید کہہ کر مدعا پوچھا ت انہوں نے بتایا کہ مَیں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ مَیں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لے آیا ہوں اور آپؐ کے پیغام کی سچائی کو تسلیم کرچکا ہوں۔ ابوجہل نے بھنا کر دروازہ بند کرلیا اور کہا کہ "خدا کی مار تجھ پر اور تیری اس اطلاع پر۔"

تیسری طرف انہوں نے تحریک اسلامی کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا۔ مار تو کھائی مگر اس کے جواب میں حرم میں علی الاعلان نماز ادا کرنے کا آغاز کر دیا۔ بقول حضرت عبداللہ بن مسعود: ''ہم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے قبل اس پر قادر نہ تھے کہ کعبہ میں نماز ادا کر سکیں۔ عمرؓ مسلمان ہوئے تو قریش سے لڑ کر کعبہ میں نماز ادا کی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔''

ایک طرف تشدد کا وہ زور دیکھئے اور دوسری طرف یہ سماں ملاحظہ کیجئے کہ اسلام، دشمنوں میں سے بہترین عنصر کو چھانٹ رہا تھا۔

ایسا ہی واقعہ حضرت امیر حمزہ کا ہے۔ مکہ کا یہ نوجوان ذہانت، شجاعت اور اثر کا مالک تھا۔ حضورؐ کے چچاؤں میں سے جناب ابوطالب کے بعد ایک یہی چچا ایسا تھا جسے اختلاف کے باوجود آپؐ سے محبت تھی۔ عمر بھی صرف دو تین برس زیادہ تھی اور ہم عمری کی وجہ سے بچپن میں چچا بھتیجا ہمجولی رہے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ کوہِ صفا کے پاس ابوجہل نے حضورؐ پر دست درازی کی اور بہت دریدہ دہنی سے کام لیا۔ حضورؐ نے صبر سے اذیت کو برداشت کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے یہ سارا ماجرا دیکھا۔ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ کمان اٹھائے ہوئے واپس آئے تو اس لونڈی نے سارا ماجرا سنایا اور کہا

کہ ''ہائے اگر تم خود دیکھ سکتے کہ تمہارے بھتیجے پر کیا گزری ۔'' یہ سن کر حمزہؓ کی حمیت جاگ اٹھی ۔ سیدھے قریش کی مجلس میں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا ۔ حرم میں جا کر ابوجہل کے سر پر کمان ماری اور کہا کہ ''کیا تم نے محمد کو گالی دی؟'' اگر ایسا ہے تو مَیں بھی اس کے دین پر ہوں اور جو کچھ وہ کہتا ہے، وہی کچھ میں بھی کہتا ہوں، ہمت ہے تو میرے مقابلے پر آؤ'' ابوجہل کی حمایت میں بنی مخزوم کا ایک شخص مجلس سے اٹھا، مگر ابوجہل نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ جانے دو، مَیں نے ابوعمارہ کے بھتیجے کو بہت گندی گالیاں دی ہیں ۔ حضرت حمزہ اسلام پر ڈٹ گئے اور قریش نے محسوس کر لیا کہ رسولِ خدا کی قوت بڑھ گئی ہے ۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص: ۳۱۲۔۳)

مقاطعہ اور نظر بندی

دشمنانِ حق اپنی ساری تدبیروں کے علی الرغم یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ حق کا سیلاب آگے ہی آگے بڑھ رہا اور بڑی بڑی اہم شخصیتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس پر ان کا اضطراب اور بڑھ گیا۔ محرم ؁ نبوی میں مکہ کے تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ خاندان بنو ہاشم سے بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی شخص نہ قرابت رکھے، نہ شادی بیاہ کا تعلق رکھے، نہ لین دین کرے، نہ ملے جلے اور نہ کھانے پینے کا کوئی سامان ان تک پہنچنے دے۔ الا آنکہ بنو ہاشم، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں اور ان کو قتل کرنے کا ہمیں حق دے دیں۔ یہ فیصلہ جناب ابو طالب سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اس امر سے مایوس ہو کر کیا گیا تھا، کہ نہ ابو طالب رسول کو اپنی سرپرستی سے نکالنے پر تیار ہیں اور نہ

ان کی وجہ سے بنو ہاشم تعلق منقطع کر سکتے ہیں۔ بہر حال قبائلی دور کے لحاظ سے یہ فیصلہ انتہائی سنگین تھا اور ایک آخری کارروائی کی نوعیت رکھتا تھا۔ بنو ہاشم بے بس ہو کر شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ گویا پورا خاندان تحریکِ اسلامی کے داعی کی وجہ سے ایک طرح کی قید اور نظر بندی میں ڈال دیا گیا۔ اس نظر بندی کا دور تقریباً تین برس تک طویل ہوا اور اس دور میں جو احوال گزرے ہیں ان کو پڑھ کر پتھر بھی پگھلنے لگتا ہے۔ درختوں کے پتے نگلے جاتے رہے اور سوکھے چمڑے ابال ابال کر اور آگ پر بھون بھون کر کھائے جاتے رہے۔ حالت یہ ہو گئی بنو ہاشم کے معصوم بچے جب بھوک کے مارے بلکتے تھے تو دور دور تک ان کی درد بھری آوازیں جاتی تھیں۔ قریش ان آوازوں کو سنتے تو مارے خوشی کے جھوم جھوم جاتے، ناکہ بندی اتنی شدید تھی کہ

ایک مرتبہ حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) نے کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ چوری چھپے بھیجا۔ راستہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور گیہوں چھیننے کے درپے ہوا۔ اتفاق سے ابوالبختری بھی آ گیا۔ اس کے اندر کسی انسانی جذبے نے کروٹ لی اور ابوجہل سے کہا کہ چھوڑو بھی۔ ایک بھتیجا اپنی پھوپھی کے لئے کچھ بھیجتا ہے تو تم اسے بھی روکتے ہو۔ اسی طرح ہشام بن عمرو چوری چھپے کچھ غلہ بھیج دیتے تھے۔

یہی ہشام بن عمرو اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف داعی اول بنا۔ پہلے یہ زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا۔ اس سے بات کی کہ کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم کھاؤ پیو، کپڑا پہنو، شادی بیاہ کرو اور تمہارے ماموؤں کا یہ حال ہو کہ وہ نہ خرید و فروخت کر سکیں، نہ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر سکیں۔ اگر معاملہ ابوالحکم ابن ہشام کے ماموؤں اور ننہیال کا ہوتا

اور تم نے اسے ایسے معاہدے کی دعوت دی ہوتی تو وہ کبھی اس کی پروانہ کرتا۔ یہ سن کر زہیر نے کہا: ''میں کیا کروں، میں تو اکیلا آدمی ہوں، خدا کی قسم! اگر کوئی دوسرا میرے ساتھ ہوتا تو مَیں اس معاہدے کی منسوخی کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا اور اسے ختم کر کے دم لیتا۔'' ہشام بن عمرو نے کہا کہ'' دوسرا ساتھی تو تمہیں مل گیا ہے!''، زہیر نے پوچھا :''کون؟''، ہشام نے کہا: ''مَیں!'' پھر ہشام مطعم بن عدی کے پاس پہنچا اور اسی طرح تحریک کی۔ اس نے بھی وہی جواب دیا کہ اکیلا ہوں کیا کروں، ہشام نے وہی جواب دیا کہ دوسرا مَیں ہوں۔ مطعم نے کہا کہ اب کسی تیسرے کو ڈھونڈنا چاہئے۔ ہشام نے بتایا کہ وہ تو مَیں نے مہیا کرلیا ہے۔ اس نے پوچھا کون؟ ہشام نے بتایا کہ زہیر ابن ابی امیہ۔ مطعم کہنے لگا کہ پھر کسی چوتھے کو حاصل کرنا

چاہیے۔ اسی طرح ابوالبختری اور زمعہ بن الاسود تک پہنچ کر ہشام نے بات کی۔

غرض بائیکاٹ کے معاہدے کے خاتمے کی تحریک اندر ہی اندر جب کام کر چکی تو ان سب لوگوں نے ایک جگہ بیٹھ کر طریق کار طے کیا۔ اسکیم بنی کہ برسرِ عام ہشام ہی بات چھیڑے گا، چنانچہ ہشام نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا، پھر لوگوں کی طرف آیا اور کہا کہ مکہ والو! کیا یہ زیبا ہے کہ ہم کھانے کھائیں اور لباس پہنیں اور بنو ہاشم بھوک سے تڑپ رہے ہوں، نہ وہ کچھ خرید سکیں، نہ بیچ سکیں اور پھر اس نے اپنا عزم ان الفاظ میں پیش کر دیا:-

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک کہ تعلقات توڑ دینے والی اس ظالمانہ تحریر کو چاک چاک نہ کر لوں۔''

ابوجہل بھنا کر اٹھا اور چیخ کر بولا: ''جھوٹے ہو تم، خدا کی قسم! تم اسے چاک نہیں کر سکتے۔''

زمعہ بن الاسود نے ابوجہل کو جواب دیا: ''تم خدا کی قسم! سب سے بڑھ کر جھوٹے ہو۔ یہ معاہدہ جس ڈھب سے لکھا گیا ہے، ہم اسے پسند نہیں کرتے۔'' ابوالبختری بھی بول اٹھا: ''سچ کہا زمعہ نے، ہم کو پسند نہیں جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے اور نہ ہم اس کو مانتے ہیں۔'' مطعم نے بھی تائید مزید کی۔ ''تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو اور غلط کہتا ہے جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے۔'' ہشام نے بھی یہی بات کہی۔ اکثریت کو یوں مخاطب پا کر ابوجہل اپنا سا منھ لے کر رہ گیا اور معاہدہ چاک کر دیا گیا۔ لوگ جب اسے دیوارِ کعبہ سے اتارنے لگے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسے دیمک چاٹ چکی تھی، صرف '' باسمک اللھم '' کے لفظ سلامت

تھے۔(سیرت ابن ہشام، ج:۲،ص:۱۶۔۱۴)

سالِ اندوہ

دورِ نظر بندی کا خاتمہ ہوگیا اور ایک بار پھر خدا کا نبیؐ اپنے گھرانے سمیت آزادی کی فضاء میں داخل ہوا لیکن اب اس سے بھی سخت تر دور کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔اس سال اولین سانحہ یہ پیش سانحہ یہ پیش آیا کہ حضرت علیؑ کے والد ابو طالب کی وفات ہوگئی۔اس طرح وہ ایک ظاہری سہارا بھی چھن گیا۔ جو حضورؐ کو اپنے سایۂ شفقت میں لئے ہوئے دشمنوں کے لئے پوری استقامت سے آخری دم تک مزاحم رہا تھا۔

اسی سال دوسرا صدمہ حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ کی رحلت کا اٹھانا پڑا۔حضرت خدیجہؓ محض حضورؐ کی بیوی ہی نہ

تھیں بلکہ سابقون الاولون میں تھیں اور انہوں نے دور رسالت سے قبل بھی مونس وغمگساری میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور اولین وحی کے نزول سے لے کر تادم آخر راہ حق میں حضورؐ کے ساتھ سچی رفاقت کا حق ادا کر کے دکھلا گئیں۔ تحریک حق کی حمایت میں مال بھی خرچ کیا۔ قدم قدم پر مشورے بھی دیئے اور دلی جذبے سے تعاون کیا۔ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ کانت له وزیراً۔ (وہ حضورؐ کے لئے وزیر تھیں)

ایک طرف تو یکے بعد دیگرے یہ دو صدمے حضورؐ کو سہنے پڑے اور دوسری طرف ان ظاہری سہاروں کے ہٹ جانے کی وجہ سے مخالفت کا طوفان اور زیادہ چڑھ آیا۔ اب تو موجیں سر سے گزرنے لگیں۔ مگر مشیت الٰہی کا تقاضا غالباً یہ تھا کہ سچائی اپنا راستہ آپ بنائے۔ سچائی اپنی حفاظت

آپ کرے، سچائی اپنے لئے خود ہی واحد سہارا ثابت ہو۔

اب جو دنیوی سہارے پوری طرح ہٹا لئے گئے تھے۔ شاید اس کے بغیر سچائی کی روح پوری طرح واضح نہ ہو سکتی تھی۔ انہیں غم انگیز حالات کی وجہ سے یہ سال سال اندوہ یا عام الحزن کے نام سے موسوم ہوا۔

اب قریش انتہائی ذلیل حرکتوں پر اتر آئے۔ لونڈوں کے غول پیچھے لگا دیئے جاتے جو شور مچاتے اور حضورؐ نماز پڑھتے تو وہ تالیاں پیٹتے۔ راستہ چلتے ہوئے حضورؐ پر غلاظت پھینک دی جاتی۔ دروازے کے سامنے کانٹے بچھائے جاتے۔ کبھی گلا گھونٹ دیا جاتا اور کبھی دست تعدی دراز کیا جاتا۔ کھلم کھلا گالیاں دی جاتیں، پھبتیاں کسی جاتیں۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر خاک پھینکی جاتی۔ بلکہ بعض خبیث بدتمیزی کی اس آخری حد تک پہنچے کہ آپؐ کے

رخ انور پر تھوک دیتے۔

ایک بار ابولہب کی بیوی ام جمیل پتھر لئے حضورؐ کی جستجو میں حرم تک اس ارادے سے آئی کہ بس ایک ہی وار میں کام تمام کردے۔ حضورؐ اگرچہ حرم میں سامنے ہی موجود تھے لیکن خدا نے اس کی نگاہ کو رسائی نہ دی اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اپنے دل کا بخار نکال کر چلی آئی۔ اس نے یہ اشعار بھی پڑھے۔

مذمما عصینا وامره ابینا ودینه قلینا

مذمم (حضورؐ کو محمد کے بجائے مذمم کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی گئی) کی ہم نے نافرمانی کی اس کی بات ماننے سے ہم نے انکار کیا۔ اس کے دین سے ہم نے بغض رکھا۔ (نام بگاڑنا اور برے برے الفاظ استعمال کرنا اخلاقی پستی

کی دلیل ہے۔ حریف جب بالکل ذلت میں گر جاتا ہے تو ان گندے ہتھیاروں سے کام لیتا ہے۔

اس پر حضورؐ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی مجھے ان لوگوں کے سب وشتم سے یوں بچاتا ہے کہ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں۔

اسی طرح ایک بار ابوجہل نے پتھر سے حضورؐ کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا اور اسی ارادے میں حضور تک پہنچا بھی۔ مگر خدا نے ابوجہل کو خوف ومرعوبیت کے ایسے عالم میں ڈالا کہ وہ کچھ نہ کر سکا۔

ایک بار دشمنوں کا غول کا غول لوٹ پڑا اور محسنؐ انسانیت کو سخت اذیت دی۔ واقعہ یوں ہوا کہ دشمنانِ حق بیٹھے یہی تذکرہ کر رہے تھے کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ

وسلم) کے معاملے میں ہم نے جو کچھ برداشت کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی دوران میں حضورؐ تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تم ایسا اور ایسا کہتے ہو۔ حضورؐ نے پوری اخلاقی جرأت سے فرمایا ''ہاں! میں ہوں جو یہ اور یہ کہتا ہوں''۔ بس یہ کہنا تھا کہ چاروں طرف سے دھاوا بول دیا گیا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ قریش کی طرف سے اس سے بڑھ کر حضورؐ کے خلاف میں نے کوئی درازدستی نہیں دیکھی۔

حملہ آور رک گئے تو خدا کے رسولؐ نے پھر اسی فوق الانسانی جرأت سے کام لے کر ان کو ان الفاظ میں متنبہ کیا کہ ''میں تمہارے سامنے یہ پیغام لایا ہوں کہ تم ذبح ہو جانے والے ہو۔ یعنی استبداد کی یہ چھری جو تم مجھ پر تیز کر رہے ہو۔ تاریخ میں کام کرنے والا قانون الٰہی بالآخر

اسی سے خود تم کو ذبح کر ڈالے گا۔ تمہارا یہ زور اقتدار جو ظلم کے رخ پر پڑ گیا ہے۔ یہ یکسر ختم ہو جانے والا ہے"۔

ان تفصیلی واقعات کے زمان وقوع کے بارے میں قطعیت سے کچھ نہیں جا سکتا لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ یہ واقعات انتہائی دور تشدد سے متعلق ہو سکتے ہیں اور یہ دور بہر حال جناب ابوطالب کی وفات کے بعد نمودار ہوا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ عقبہ بن معیط، ابوجہل اور امیہ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب حضورؐ ان کے سامنے سے گزرتے تو وہ کلمات بدزبانوں پر لاتے، تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخری مرتبہ حضورؐ نے چہرہ متغیرہ کے ساتھ کہا کہ "بخدا تم بغیر اس کے باز نہ آؤ گے کہ خدا کا عذاب جلد تم پر ٹوٹ پڑے" حضرت عثمان کہتے ہیں کہ ہیبت

حق تھی کہ یہ قمن کران میں سے کوئی نہ تھا جو کانپ نہ رہا ہو۔ یہ فرما کہ حضورؐ اپنے گھر کو چلے تو حضرت عثمان اور دوسرے لوگ ساتھ ہو لئے۔ اس موقع پر حضورؐ نے ہم سے خطاب کر کے فرمایا۔

''تم لوگوں کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے کلمہ کی تکمیل کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا اور یہ لوگ جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت جلد تمہارے ہاتھوں ذبح کرآئے گا''

غور کیجئے کہ بظاہر یاس انگیز ماحول میں یہ بشارت دی جارہی تھی اور پھر کس شان سے یہ بہت ہی جلد پوری ہوئی۔ گویا تحریک حق نے ہتھیلی پر سرسوں جما دی۔

طائف میں دعوت حق

زمانی لحاظ سے قطعیت کے ساتھ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ کب کا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے سورۂ مدثر کے شانِ نزول کے طور پر بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے ابتدائی دور میں رکھنا چاہئے۔ مگر واقعہ کی نوعیت کہتی ہے کہ اس کا زمانہ مکی دور کے اواخر کی طرف ہوگا۔

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علی الصباح گھر سے نکلے اور خدا کا پیغام سنانے کے لئے مکہ کے مختلف کوچوں میں گھومے پھرے لیکن وہ ایک دن پورا ایسا گزرا کہ آپ کو ایک آدمی بھی ایسا نہ ملا جو بات سنتا۔ نئی اسکیم یہ اختیار کی گئی تھی کہ آپ کو جب آتے دیکھا جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ ادھر ادھر کھسک جائیں۔ بات سننے سے جھیلتی ہے اور مخالفت کرنے اور بحثیں چھیڑنے سے وہ اور زیادہ ابھرتی ہے۔ اسکیم کامیاب رہی جو لوگ ملے بھی انہوں نے استہزا

اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ اس روز آپؐ پورا دن گزار کر جب پلٹے تو اداسی کا ایک بھاری بوجھ آپؐ کے سینے پر لدا ہوا تھا۔ سخت تھکن تھی...... ایسی تھکن جو کسی خیر طلب اور خیر خواہ کو اس وقت ہوتی ہے کہ جب وہی جس کی خیر خواہی کی جا رہی ہے محسن کشی پر اتر آئے۔

اس خاص دن کا تجربہ گویا اس امر کی اطلاع تھا کہ مکہ کی زمین اب بنجر ہوتی جا رہی ہے اور اسے جو کچھ فصل دینی تھی وہ دے چکی۔ بعد کے حالات...... بد سے بدتر ہوتے ہوئے حالات نے اس کی توثیق کی اور آہستہ آہستہ جوہر قابل رکھنے والے آخری ذرات بھی محسنِ انسانیت کے گرد سمٹ آئے۔ شاید اسی دن سے آپؐ کے دل میں یہ رجحان پیدا ہو گیا ہو گا کہ اب مکہ سے نکل کر باہر کام کرنا چاہئے ایک بصیرت مند داعی جب اپنے ابتدائی مرکز پر اتنا

کام کر چکتا ہے کہ وہاں کے کارآمد لوگ لبیک کہہ دیتے ہیں
اور باقی صرف ضدی معاندین رہ جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی
توتیں خواہ مخواہ ضائع نہیں کرتا بلکہ نئی زمین تلاش کرتا ہے
اور ماحول کو بدل کر تجربہ کرتا ہے۔

ایسے ہی حالات میں نبی اکرمؐ نے مکہ کے گردوپیش
میں کام کرنے کا ارادہ باندھا۔ دعوت کی تسیم فی الحقیقت
طائف سے چلی تھی۔ زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر سرورِ عالمؐ
مکہ سے پیدل چلے اور راستے میں جو قبائل آباد تھے، ان
سب کے سامنے خدا کا پیغام پیش کیا۔ قریبا ایک مہینہ کی
مدت آنے جانے میں صرف ہو گئی۔

طائف ایک بڑا سرسبز قطعہ تھا۔ پانی، سایہ، کھیتیاں،
باغات نسبتاً ٹھنڈا مقام۔ لوگ بڑے خوش حال تھے اور دنیا
پرستی میں بری طرح مگن۔ انسان ایک مرتبہ معاشی خوش حالی

پا لے تو پھر وہ خدا فراموشی اور اخلاق باختگی میں دور تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی حال اہل طائف کا تھا۔ مکہ والوں میں تو پھر بھی مذہبی سربراہی اور ملکی قیادت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے کسی قدر اخلاقی رکھ رکھاؤ ہو سکتا تھا لیکن طائف کے لوگ پورے لاابالی ڈھب کے تھے اور پھر سود خواری نے ان کے اچھے انسانی احساسات کو بالکل ملیا میٹ کر دیا تھا۔ حضورؐ گویا مکہ سے بدتر ماحول میں قدم رکھ رہے ہیں۔

محسنِ انسانیت طائف میں پہنچے تو پہلے ثقیف کے سرداروں سے ملاقات کی۔ یہ تین بھائی تھے ...... عبدیالیل۔ مسعود اور حبیب۔ ان میں سے ایک کے گھر میں قریش (بنی جمح) کی ایک عورت تھی۔ اس وجہ سے ایک طرح کی لحاظ داری کی توقع ہو سکتی تھی۔ حضورؐ ان کے پاس جا بیٹھے۔ ان کو بطریق احسن اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اپنی دعوت پر

گفتگو کی اور ان سے اقامت حق کے کام میں حمایت طلب کی۔ اس جواب سننے جو تینوں کی طرف سے ملتا ہے۔

ایک: ''اگر واقعی خدا ہی نے تم کو بھیجا ہے تو بس پھر وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے''۔

دوسرا: ارے! کیا خدا کو تمہارے علاوہ رسالت کے لئے اور کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا''۔

تیسرا: خدا کی قسم! میں تجھ سے بات بھی نہ کروں گا، کیونکہ اگر تو اپنے کہنے کے مطابق واقعی اللہ کا رسول ہے تو پھر تجھ ایسے آدمی کو جواب دینا سخت خلاف ادب ہے، اور اگر تم نے خدا پر افترا باندھا ہے تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے''۔

یہ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے جو انسانیت کے محسن

کے سینے میں پے در پے پیوست ہوتے چلے گئے۔ آپؐ نے تحمل سے اپنے دل پر سارے زخم سہہ لئے اور ان کے سامنے آخری بات یہ رکھی کہ تم اپنی یہ باتیں اپنے ہی تک رکھو اور کم سے کم عوام کو ان سے متاثر نہ کرو۔

مگر انہوں نے اپنے ہاں کے گھٹیا اور بازاری لونڈوں اور نوکروں اور غلاموں کو ہٹکا کر آپؐ کے پیچھے لگا دیا کہ جاؤ اور اس شخص کو بستی سے نکال باہر کرو۔ ایک غول کا غول آگے پیچھے ہولیا۔ یہ لوگ گالیاں دیتے، شور مچاتے اور پتھر مارتے تھے۔ پتھر تاک تاک کر ٹخنوں کی ہڈیوں پر مارتے تا کہ زیادہ اذیت پہنچے۔ حضورؐ جب نڈھال ہو جاتے تو بیٹھ جاتے لیکن طائف کے غنڈے آپؐ کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیتے اور پھر ٹخنوں سے پتھر مارتے اور تالیاں بجا بجا کر ہنستے خون بے تحاشا بہہ رہا تھا اور جوتیاں اندر اور باہر سے

لتھڑ گئی تھیں۔ اس نادر تماشے کو دیکھنے کے لئے بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ غنڈوں کا غول اس طریقے سے آپؐ کو شہر سے نکال کر ایک باغ کے احاطے تک لے آیا جو ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ آپؐ نے بالکل بے دم ہو کر انگور کی ایک بیل سے ٹیک لگا لی۔ باغ کے مالک آپؐ کو دیکھ رہے تھے اور جو کچھ آپؐ پر بیتی اس کا بھی مشاہدہ کر چکے تھے۔

یہی وہ موقع تھا جبکہ دوگانہ پڑھنے کے بعد آپؐ کے ہونٹوں سے ذیل کی دردبھری دعا نکلی:

''الٰہی! اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سروسامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ بیکسوں کا پروردگار تو ہی ہے، تو ہی میرا مالک ہے، آخر تو مجھے

کس کے حوالے کرنے والا ہے۔ کیا اس حریف بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی روا رکھتا ہے۔ یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملہ پر قابو رکھتا ہے لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ پروا نہیں۔ بس تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ میں اس بات کے مقابلے میں کہ تیرا غضب مجھ سے پڑے یا تیرا عذاب مجھ پر وارد ہو، تیرے ہی نور جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعہ دین و دنیا کے تمام معاملات سنور جاتے ہیں۔ مجھے تو تیری رضامندی اور خوشنودی کی طلب ہے بجز تیرے کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی''۔

اتنے میں باغ کے مالک بھی آپہنچے۔ ان کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات لہرا آئے تھے۔ انہوں نے اپنے

نصرانی غلام کو پکارا۔ اس کا نام عداس تھا۔ پھر ایک طشتری

میں انگوروں کا خوشہ رکھوا کر بھجوایا۔ عداس انگور پیش کر کے

آنحضورؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے ہاتھ انگور کی طرف

بڑھاتے ہی ''بسم اللہ'' کہا۔ عداس کہنے لگا ''خدا کی قسم! اس

طرح کی بات اس شہر کے لوگ تو کبھی نہیں کہتے''۔ رسول

اللہ صلعم نے پوچھا کہ ''تم کس شہر کے آدمی ہو، اور تمہارا دین

کیا ہے''؟ اس نے بتایا کہ نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ۔

آپؐ نے فرمایا ''تو تم یونس بن متی جیسے مرد صالح کی بستی

کے آدمی ہو......''؟ عداس نے حیرت سے پوچھا ''۔ آپ کو

کیسے معلوم کہ یونس بن متی کون ہے''؟ آپؐ نے کہا کہ ''وہ

میرا بھائی ہے۔ وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں''۔ یہ سنتے

ہی عداس آپؐ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ ربیعہ کے بیٹوں

میں سے ایک نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے عداس سے واپس

جانے پر ملامت کی کہ "یہ کیا حرکت تم کر رہے تھے۔ تم نے اپنا دھرم خراب کر لیا ہے"۔ عداس نے گہرے تاثر کے ساتھ جواب دیا "۔ میرے آقا! اس سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز بھلی نہیں۔ اس شخص نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سواء کوئی اور نہیں جان سکتا"۔

درحقیقت اب جناب ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ میں آپؐ ظاہری لحاظ سے بالکل بے سہارا تھے اور دشمن شیر ہو گئے تھے۔ خیال فرمایا کہ طائف میں سے شاید کچھ اللہ کے بندے اٹھ کھڑے ہوں۔ وہاں یہ صورت پیش آئی۔ وہاں سے پھر آپؐ نخلہ میں قیام پذیر رہے۔ وہاں سے واپس آئے اور غار حرا میں تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے مطعم بن عدی کو پیغام بھجوایا کہ "کیا تم مجھے اپنی حمایت میں لے سکتے ہو"؟ عرب کے قومی کردار کی ایک اہم روایت یہ

تھی کہ حمایت طلب کرنے والے کو حمایت دی جاتی تھی۔ خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ معطم نے پیغام قبول کرلیا۔ بیٹوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کہ حرم میں چلو۔ خود رسول اللہ کو ساتھ لایا اور مکہ میں آکر اونٹ پر سے اعلان کیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ مطعم کے بیٹے آپؐ کو تلواروں کے سائے میں حرم میں لائے۔ پھر گھر میں پہنچایا۔

طائف میں حضورؐ پر جو کچھ گزری اسے مشکل ہی سے روایات کے الفاظ ہم تک منتقل کر سکتے ہیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا۔ ''یا رسول اللہ! کیا آپؐ پر احد کے دن سے بھی سخت دن کوئی گزرا ہے؟'' ''تیری قوم کی طرف سے اور تو جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں۔ مگر سب سے بڑھ کر سخت دن وہ تھا جب میں نے عبد یالیل کے بیٹے کے

سامنے دعوت رکھی۔ اور اس نے اسے رد کر دیا اور اس کا اس درجہ صدمہ ہوا کہ قرن الثعالب کے مقام تک جا کر یہ مشکل طبیعت سنبھلی"۔ (المواہب اللدنیہ جلد۔ ا ص ۵۶)

زید بن حارثہ جنہوں نے آپؐ کے نڈھال اور بیہوش ہو جانے پر طائف سے کندھوں پر آپؐ کو اٹھا کر شہر کے باہر پہنچایا تھا۔ دل اندوہگیں کے ساتھ عرض کرنے لگے کہ آپ ان لوگوں کے لئے خدا سے بددعا کریں۔ فرمایا"۔ میں ان کے لئے کیوں بددعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی"۔

اسی سفر میں جبریل آتے ہیں اور اطلاع دیتے ہیں کہ پہاڑوں کا انچارج فرشتہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اگر آپ اشارہ کریں تو وہ ان پہاڑوں کو آپ میں

ملا دے جن کے درمیان مکہ اور طائف واقع ہیں اور دونوں شہروں کو پیس کر رکھ دے۔

اسی یاس انگیز فضاء میں جنوں کی جماعت آکر قرآن سنتی ہے اور حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان لاتی ہے۔ اس طرح سے خدا نے حقیقت واضح کی کہ اگر تمام انسان دعوت حق کو رد کر دیں تو ہماری مخلوقات ایسی موجود ہے کہ وہ آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔

نوید سحر

طائف کا تجربہ ایسا تھا کہ جس سے گزرتے ہوئے محسن انسانیت نے درد و کرب کے اس آخری نقطہ کو چھو لیا جس تک پہنچنے کے بعد مشیت زبانی کامیابی کے دروازے کھول دیا کرتی ہے۔ زمانہ بہ نگاہ ظاہر نظام حق کے داعی کو

جتنا زیادہ گر اسکتا تھا، گرا چکا تھا اور اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کا مرتبہ بارگاہ الٰہی میں انتہائی حد تک بلند ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بھیج کر جب بھی حق و باطل کا معرکہ برپا کرایا ہے۔ اس کا قانون یہ رہا ہے کہ باطل جب آخری حد تک پورا زور دکھا چکتا ہے اور بندگان حق ایک ایک کر کے تمام مراحل استبداد سے صبر جمیل کے ساتھ گزرتے ہوئے ایک آخری مرد افگن دور کو بھی پار کر جاتے ہیں تو نصرت الٰہی کی صبح نمودار ہوتی ہے۔ جنت کو جانے والی راہ صداقت کانٹوں سے پٹی پڑی ہے اور اس پر گامزن ہونے والوں کے لئے مراد پانے کی بشارت تب آتی ہے جب:

" ...... ان کو کٹھنائی اور مصیبت نے آ لیا اور وہ خوب

جھڑ جھڑا گئے یہاں تک کہ رسولؐ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے لوگ پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد۔ (اس مرحلے میں پہنچ کر ان کو بشارت دی جاتی ہے کہ) سنو! اللہ کی مدد قریب ہے"۔ (البقرہ۔۲۱۴)

معراج کی حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کو قرب الٰہی کا انتہائی بلند مقام عطا کیا گیا۔ جس فرمانروا کی نمائندگی کرتے ہوئے محسنؐ انسانیت نے کسی برس طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرتے ہوئے اور بدی کی طاقتوں کے خلاف فکری جنگ لڑتے ہوئے گزار دیئے تھے۔ اس نے اپنے سفیر کو اپنے ہاں کا بلند ترین اعزاز دیئے کے لئے اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ کائنات اور زندگی کی جن بنیادی سچائیوں کو منوانے کے لئے ایک سپاہی میدان کارزار میں اتر کر چاروں طرف سے وار سہہ رہا تھا اسے یہ سعادت بخشی گئی کہ

ان سچائیوں کا قریب سے مشاہدہ کرے جس بین الانسانی تحریک خیر و فلاح کا احیاء آخری داعی کر رہا تھا۔ اسے سعادت دی گئی کہ وہ اس تحریک کے ایک بڑے دریرینہ مرکم (بیت المقدس) تک جا کر اور پھر وہاں سے عالم بالا کو پرواز کر کے اس تحریک کے سابق قائدین خاص سے ملاقی ہو۔

سابق انبیاء کو بھی موقع بہ موقع شرف دیا جاتا رہا تھا کہ وہ غیبی حقائق کا مشاہدہ کریں اور قرب خداوندی میں پہنچ کر عنایات خاص سے بہرہ مند ہوں۔ قرآن میں جہاں ایک طرف ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کو ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا گیا اور وہاں خداوند تعالیٰ نے ایک نور افگن درخت کی اوٹ سے انی انا اللہ کہہ کر ہم کلامی سے سرفراز کیا اور پھر دوسرے موقع پر ایسے

ہی لمحہ قرب میں شریعت کے احکام تفویض کئے۔ گویا کسی نہ کسی نوع کی معراج جلیل القدر انبیائے سلف کو بھی حاصل ہوتی رہی تھی۔ حضور کی معراج اپنے اندر شان کمال رکھتی ہے۔

واقعہ طائف اور ہجرت کے درمیان اس واقعہ سے زیادہ اہم اور ممتاز واقعہ کوئی دوسرا پیش نہیں آیا۔ اس کی جب اطلاع آپؐ نے دی تو مکہ بھر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ آپؐ نے مجمع عام میں اپنے مشاہدات بیان کئے۔ بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ راستے کی ایسی قطعی علامات بتائیں جن کی بعد میں تصدیق ہوگئی۔

اس لمحہ قرب میں جو خاص وحی کی گئی (فاوحی الی عبدہ او حی ...... (النجم) وہی سورۃ بنی اسرائیل کے عنوان سے ہمارے سامنے ہے۔ اس سورۃ کا آغاز ہی واقعہ

اسرا کے تذکرہ سے ہوتا ہے اور پھر پوری سورہ میں معراج کی روح رچی بسی ہے۔ اس سورہ کے حسب ذیل پہلو نہایت قابل توجہ ہیں۔

۱۔ بنی اسرائیل کی داستان عبرت سامنے رکھ کر ایک طرف یہ واضح کیا گیا کہ خدا کے قوانین بڑی بڑی طاقتوں کا محاسبہ کرتے ہیں اور ان کی بے راہ روی پر ان کو کسی آلہ کار کے ذریعہ پٹوا دیتے ہیں۔ دوسری طرف عبرت دلائی گئی کہ غلبہ و کامرانی کے دور میں پہنچ کر کہیں یہ طاقت بھی بنی اسرائیل کی روش نہ اختیار کر لے۔

۲۔ یہ مژدہ انتہائی ناسازگار ماحول میں صاف صاف الفاظ اور فیصلہ کن انداز میں دیا گیا کہ جاء الحق وزھق الباطل (آیت۔۸۱) حق آ گیا ہے اور باطل اب دم دبا کر بھاگنے والا ہے۔ تاریکیاں چھٹ جانے کو ہیں اور

صبح ہونے والی ہے۔

۳۔ یہ اطلاع دے دی کہ اہل مکہ اب آپ کو مکہ سے نکال دینے کے درپے ہوں گے، مگر آپ کو نکالنے کے بعد زیادہ دیر تک امن چین سے نہ رہ سکیں گے۔ (آیت۔ ۷۶) دعائے ہجرت ان الفاظ میں سکھائی کہ ''اے میرے رب مجھے (نئے دور میں) صدق کے دروازے سے داخل کر اور (موجودہ ماحول سے) صدق ہی کی راہ سے نکال اور مجھے اپنی بارگاہ سے اقتدار کی صورت میں مدد نصیب کر''۔ (آیت۔ ۸۰) اس دعاء میں اقتدار کی طلب کو شامل کر کے گویا بشارت بھی دے دی گئی کہ ہجرت کے بعد کا دور دور غلبہ و حکمرانی ہوگا۔

۴۔ آیت ۲۲ تا ۳۹ کے مسلسل پارہ کلام میں اسلامی نظام کے بالکل ابتدائی اصول عطا کیے گئے کہ ان کو بنیاد

بنا کر نیا معاشرہ اور نیا تمدن استوار کیا جائے۔

لمحہ معراج کے ان نکات وحی کا نور سینے میں لئے

جب سرور عالم مستقبل کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوں گے۔تو

تاریخ کے افق سے روشنی کا ایک سیلاب امنڈتا دکھائی دیتا

ہوگا۔کوئی مادہ پرست مکہ کے اس خوفناک ماحول میں ہوتا تو

شاید وہ مایوس ہو کر اپنی سرگرمیوں کا ٹاٹ لپیٹ چکا ہوتا مگر

حضورؐ تھے کہ انتہائی ناسازگار اور امید شکن حالات کی تاریکی

میں گھرے ہونے رپ بھی اس قطعی یقین سے مالامال تھے

کہ صبح آرہی ہے اور نسیم کے ایک جھونکے نے آ کر سرور عالمؐ

کے کانوں میں کہہ دیا کہ صبح نو کا مطلع یثرب ہوگا۔وہ جہاں

کے نوجوانوں نے انتہائی خلوص اور شرح صدر کے ساتھ

اسلامی تحریک کو لبیک کہنا شروع کیا ہے۔مکہ میں زندگی ختم

ہو جانے کے بعد حضورؐ طائف سے پوچھنے گئے کہ آیا تم سچائی

کو مشعل کو اٹھا سکتے ہو؟ طائف نے جواب دیا کہ میں تو مکہ سے بھی بڑھ کر نا اہل ہوں۔ ابھی حضورؐ اس یاس انگیز جواب کے زیر اثر ہی تھے کہ دور سے یثرب کی دھیمی سی آواز آئی ''میں مدینۃ النبیؐ بننے کو حاضر ہوں۔ میں نور حق کی مشعل اٹھاؤں گا اور ساری دنیا کو روشنی دوں گا۔ میری گود میں نیکی کا نظام پرورش پائے گا اور میرے گہواروں میں ایک نئی تاریخ پروان چڑھے گی۔

طائف قریب تھا اور دور ہو گیا۔

یثرب دور تھا اور قریب آ گیا۔

یثرب اس روز بالکل قریب آ گیا جس روز (نبوت کے گیارہویں سال) چھ انقلابیوں کے ایک جتھے نے حضورؐ سے پیمان وفا باندھا۔ پھر دوسرے سال ۱۲ افراد نے تحریک

اسلامی کی علمبرداری کے لئے باقاعدہ گفت وشنید کر کے پہلی
بیعت عقبہ کی گرہ باندھی اور اسلامی توحید اور اخلاقی حدود
کے تحفظ کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ پھر حج کے موقع پر ایک
بڑی جماعت حاضر ہوئی اور اس نے رات کی تاریکی میں
ایک خفیہ مجلس کے اندر ایک دوسری بیعت عقبہ استوار کی جو
پوری طرح سیاسی روح سے مملو تھی۔ اسی میں حضورؐ کا ہجرت
کر کے مدینہ جانا طے ہوا اور اس والہانہ پیشکش کے ساتھ
طے ہوا کہ انصار مدینہ آپؐ کے لئے دنیا جہان سے لڑائی
مول لینے کو تیار ہیں۔

شاید یہی دور...... سفر طائف تا ہجرت...... جس میں
سورۂ یوسف نازل ہوئی تھی اور جس نے حدیث دیگراں کے
پردے میں علمبردار حق کو بشارت دی اور اس کے مخالفین کو
ان کے گھٹیا اور ظالمانہ طرز عمل سے آگاہ کر کے ان کا انجام

ان کے سامنے رکھ دیا۔

الوداع!......اے مکہ!

تشدد کسی متزلزل نظام کا آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کارگر نہ ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ دشمنان تغیر نقیب انقلاب کی جان لینے پر تل جاتے ہیں۔ اہل مکہ تو پہلے ہی دانت پیستے تھے اور ایسے ہی ارمان رکھتے تھے مگر بس نہیں چلتا تھا۔ اب آخری گھڑی آ گئی تھی۔ کشمکش ایک فیصلہ کن مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اب وہ متقابل طاقتیں چھنٹ کر بالکل الگ الگ ہو چکی تھیں۔ اب واضح طور پر ایک ذہنی و اعتقادی خط سرحد کھنچ چکا تھا اور جو اس پار تھے، وہ اس پار تھے اور جو اس طرف آ گئے تھے وہ بس اسی طرف کے تھے۔ اب دعوت حق کی بہر حال ایک منظم طاقت تھی۔ اس کا جماعتی نظم بڑا

مضبوط تھا اس کا کرداری وزن بہت زیادہ تھا۔ اس کا استدلالی اپیل غیر معمولی حد تک زوردار تھا اور اس کے خادموں کی مظلومیت دلوں کو فتح کرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ اب سچائی کا ننھا سا بیج ایک تناور درخت بن چکا تھا اور جو خطرہ کل تک خداوندان جاہلیت کے لئے خیالی تھی وہ اب واقعاتی صورت میں سامنے تھا۔ اب وقت ان سے کہہ رہا تھا کہ اس خطرے سے نمٹنے کی قوت رکھتے ہو تو نمٹ لو، ورنہ دور نو کا طوفان نور چلا آرہا ہے جس میں تم اور تمہارے مناصب اور تمہارا مذہب اور تمہاری جاہلانہ روایات سب کچھ بہہ جانے والی ہیں۔ کل تم کو اپنی اکڑی ہوئی گردنیں محمدؐ اور اس کے پیغام کے سامنے خم کردینی ہوں گی۔ خداوندان جاہلیت تاریخ کا چیلنج سن رہے تھے اور اس کے پیغام کے سامنے خم کردینی ہوں گی۔ خداوندان جاہلیت تاریخ کا یہ چیلنج

سن رہے تھے اور برابر مضطرب ہو رہے تھے، چنانچہ اب وہ داعی حق کے خون کے پیاسے ہو کر ایک نئی سازش کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے۔

یوں بھی جماعت حق کے افراد کے لئے مکہ کی بھٹی اپنے آخری درجہ حرارت آ پہنچی تھی۔ مظالم انسانی برداشت سے باہر ہو گئے تھے۔ قریش اپنے ظلم کے زہر کا پیالہ لبریز کر چکے تھے۔ ادھر علمبرداران حق کے صبر کا پیالہ بھی لبالب بھر چلا تھا۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ اب حالات کوئی بڑی کروٹ لیں گے اب کوئی راہ نجات نکلے گی اور اب تاریخ کوئی واضح موڑ مڑے گی۔ قریش نے ایک سعادت عظمیٰ کا دروازہ اپنے لئے بند کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو تحریک اسلامی کا پیش رو بننے کے لئے نا اہل ثابت کر دیا تھا۔ اس نفسیاتی ماحول میں معراج واقع ہونے پر

حضورؐ نے جب روشن مستقبل کی بشارت دی ہوگی، اشارۂ باب ہجرت وا ہونے اور اس کے بعد دور اقتدار کا آغاز ہونے کا مژدہ سنایا ہوگا تو مسلم جماعت میں نئی امنگیں ابھر آئی ہوں گی۔ تشدد کا شکار ہونے والوں کی ڈھارس بندھ گئی ہوگی۔ زخمی کلیجوں کو مرہم سکون مل گیا ہوگا، ہمتیں بلند ہوگئی ہوں گی اور روشنی دنیا میں ایک پو پھٹنے لگی ہوگی۔ پھر جب محسن انسانیت کی حساس روح نے وہ موعود گھڑی قریب آتے دیکھی ہوگی تو احساسات کا مدوجزر اور بھی بڑھ گیا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ کا دل پیشتر سے یہ غیبی حقیقت بھانپنے لگا کہ ہونے والا دار الہجرت مدینہ ہوگا۔ ایک طرف واضح حالات انگلی اٹھا کر اشارہ کر رہے تھے۔ خصوصاً مقام عقبہ کی بیعتیں گواہی دے رہی تھیں اور دوسری طرف ملاء اعلیٰ سے بھی اشارات ہو رہے تھے۔ اندریں حالات آپؐ نے اپنے رفقاء کو مدینہ

جانے کی اجازت دے دی اور یکے بعد دیگرے مختلف

اصحاب جانے لگے۔ آہستہ آہستہ بہت بڑی تعداد نکل گئی۔

محلے کے محلے خالی ہونے لگے اور گھر کے گھر سنسان ......

ایک مرتبہ ابو جہل اور دوسرے اکابر بنی جحش کے سنسان

گھروں سے گزرے تو ابو جہل نے اس منظر کو دیکھ کر یہ

ریمارک پاس کیا۔

"یہ ہمارے برادرزادے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے

ہمارے اجتماع کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہماری وحدت کا شیرازہ

بکھیر دیا اور ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے پھاڑ دیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۱۴)

رفقاء کو مدینہ بھیجنے کے باوجود آنحضورؐ نے اپنے

مقام دعوت کو نہیں چھوڑا۔ اذن الٰہی کے منتظر رہے۔ اب

کوئی ایک بھی مسلمان مکہ میں نہیں رہا تھا سوائے ایسے

لوگوں سے کے جنہیں قریش نے روک رکھا تھا۔ یا ابتلا میں ڈال

رکھا تھا۔ البتہ رفقائے خاص میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی

رضی اللہ عنہما باقی تھے۔ ان حالات میں قریش نے اندازہ

کرلیا کہ اب جبکہ مسلمانوں کو ایک ٹھکانا مل گیا ہے اور ایک

ایک کر کے سب لوگ جا چکے ہیں۔ قریب ہے کہ محمد صلعم بھی

ہاتھ سے نکل جائیں اور پھر ہمارے دائرہ اثر سے باہر رہ کر

قوت پکڑ لیں اور سارا پچھلا حساب چکا جائے۔ یہ لوگ مکہ

کے پبلک ہال دارالندوہ میں جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ

اب محمدؐ کے خلاف کیا کارروائی کی جائے۔ ایک تجویز سامنے

آئی کہ آپ کو کسی آہنی قید خانے میں بند کر دیا جائے اور وہ

دروازہ بند رکھا جائے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ اس شخص کی

بات بند آہنی دروازے میں سے بھی نکل جائے گی اور اس

کے ساتھی جب زور پکڑ لیں گے تو اس کو نکال لے

جائیں گے۔ کوئی اور تدبیر سوچو۔ یہ رکن مجلس نے دوسری تجویز پیش کی کہ آپ کو اپنے معاشرے اور حدود اثر سے باہر نکال دیا جائے۔ اس کے بعد ہمیں اس سے کیا مطلب کہ آپ پر کیا گزرتی ہے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ کیا تم اس کے حسن گفتار کو نہیں جانتے؟ اس کی باتوں کی مٹھاس سے واقف نہیں ہو؟ یہ چیزیں لوگوں کے دلوں پر اس کے چھا جانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایسا کرو گے تو تم اس سے نہیں بچ سکتے کہ وہ اہل عرب میں نفوذ کرے گا۔ اور اپنی دعوت اور باتوں کے زور سے ان پر چھا جائے گا، پھر وہ ان کو لے کر تم پر دھاوا بول دے گا۔ اقتدار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں سے چھین لے گا۔ اور پھر جو سلوک چاہے گا تمہارے ساتھ روا رکھے گا۔ اب ابوجہل کی ذہانت دور کی کوڑی لاتی ہے۔ اس نے تجویز کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک مضبوط اور معزز

نوجوان لیا جائے اور سب کو تلواریں دی جائیں پھر یکبارگی اس (محمدؐ) پر حملہ کر کے کام تمام کر دیں۔ بس ہمیں اس طرح سے چھٹی مل سکتی ہے۔ اس طریقہ سے محمدؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف اتنے قبائل سے بدلہ لینے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ بس اس پر اتفاق آراء ہو گیا اور یہ سازشی میٹنگ برخاست ہو گئی۔

اسی میٹنگ کی کارروائی پر قرآن نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

''اور یاد کرو اس گھڑی کو جب کہ کفار تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید میں ڈالیں یا قتل کر دیں یا باہر نکال دیں۔ وہ اپنی سی تدبیر لڑاتے رہیں اور اللہ جواباً دوسری تدبیر کرتا ہے، اور اللہ تدبیر کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے''۔ (الانفال ۳۰)

آنے والی پر اسرار رات سامنے تھی حضورؐ دوپہر کو

اپنے محبوب ترین رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے گھر پر تشریف لے گئے، جا کر رازدارانہ طریق سے

اطلاع دی کہ ہجرت کی اجازت آگئی ہے جناب صدیقؓ

نے معیت کی درخواست کی جو پہلے سے قبول تھی۔ اس

سعادت کے حصول پر فرط مسرت سے حضرت ابوبکرؓ کی

آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ انہوں نے ہجرت کے لئے دو اونٹنیاں

پہلے سے خوب اچھی طرح فربہ کر رکھی تھیں پیش کش کی کہ

حضورؐ دونوں میں سے جسے پسند فرمائیں ہدیہ ہے۔ مگر حضورؐ

نے باصرار ایک اونٹنی (جس کا نام جدعاء تھا) قیمتاً لی۔

رات ہوئی تو حضورؐ باشارۂ الٰہی اپنے مکان پر نہ سوئے اور

دوسرے محبوب ترین رفیق حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر بلا خوف

سو جانے کی ہدایت فرمائی۔ ساتھ ہی لوگوں کی امانتیں ان پر

سپرد کیں کہ صبح کو یہ ان کے مالکوں کو ادا کر دی جائیں۔ اس اخلاق کی کتنی ایک مثالیں تاریخ کے پاس ہیں کہ ایک فریق تو قتل کی سازش کر رہا ہے اور دوسرا فریق اپنے قاتلوں کو امانتیں ادا کرنے کی فکر میں ہے۔ پھر حضورؐ حضرت صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ جناب اسماء بنت ابوبکرؓ نے جلدی سے اپنا کمر بند پھاڑ اور ایک ٹکڑے میں کھانے کی پوٹلیا باندھی اور دوسرے ٹکڑے سے مشکیزے کا منہ باندھا دو مسافران حق کا یہ قافلہ رات کی تاریکی میں گامزن ہو گیا۔

آج دنیا کا سب سے بڑا محسن و خیر خواہ (صلعم) بغیر کسی قصور کے بے گھر ہو رہا تھا۔! حق کا بول بالا کرنے کے لئے ہزاروں ہی پھیرے کئے تھے اور جن میں اس نے گالیاں سنی تھیں اور ایذائیں سہی تھیں۔

آج وہ حرم کے مرکز روحانی سے جدا ہو رہا تھا جس

میں اس نے بارہا سجدے کئے تھے، بارہا قوم کی فلاح کی دعائیں مانگی تھیں، بارہا قرآن پڑھا تھا اور بارہا اس مقدس چار دیواری...... اس واحد پناہ گاہ امن وسلامتی...... میں بھی مخالفین کے ہاتھوں دکھ اٹھائے تھے اور ان کے دل چھید نے والے بول سنے تھے۔

آج وہ اس شہر کو آخری سلام کر رہا تھا جس میں ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے کارناموں کا ریکارڈ موجود تھا اور جس کی فضاؤں میں ان کی دعاؤں کی لہریں اب تک متحرک تھیں۔

کلیجہ کٹتا ہوگا۔ آنکھیں ڈبڈبائی ہوں گی۔ جذبات اُمڈے ہوں گے، مگر خدا کی رضاء اور زندگی کا مشن چونکہ اس قربانی کا بھی طالب ہوا۔ اس لئے انسان کامل ؐ نے یہ قربانی بھی دے دی۔

آج مکہ کے پیکر سے اس کی روح نکل گئی تھی۔ آج اس چمن کے پھولوں سے خوشبو اڑی جارہی تھی۔ آج یہ چشمہ سوکھ رہا تھا۔ آج اس کے اندر سے با اصول اور صاحب کردار ہستیوں کا آخری قافلہ روانہ ہو رہا تھا۔

دعوت حق کا پودا مکہ کی سرزمین میں اگا، لیکن اس کے پھولوں سے دامن بھرنا مکہ والوں کے نصیب میں نہ تھا۔ پھل مدینہ والوں کے حصہ میں آئے ..... ساری دنیا کے حصہ میں آئے! مکہ والے آج دھکیل کر پیچھے ہٹائے جارہیت تھے اور مدینے والوں کے لئے اگلی صف میں جگہ بنائی جارہی تھی۔ جو اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے ان کو پستی میں دھکیلنے کا فیصلہ ہوگیا اور جن کو مقابلتاً نچلے درجہ پر رکھا جاتا تھا، وہی لوگ اٹھا کر اوپر لائے جارہے تھے۔

حضورؐ نے آخری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ سے خطاب

فرمایا:

خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبوب۔ اگر یہاں سے مجھے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا"۔(ترمذی)

چند لمحوں بعد حضورؐ غار ثور میں تھے۔

راستہ خود حضور نے تجویز فرمالیا تھا اور عبداللہ بن ریقط دولی کو اجرت دے کر گائیڈ مقرر کیا۔ تین روز آپؐ غار میں رہے۔ عبداللہ بن ابی بکر رات کو مکہ کی ساری خبریں پہنچا آتے۔ عامر بن فہیرہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام) بکریوں کا ریوڑ لے کے اسی طرف نکلتا اور اندھیرا ہو جانے پر غار کے سامنے جا پہنچتا تاکہ دونوں مہاجر ضرورت کے مطابق دودھ لے لیں۔

ادھر قریش نے حضورؐ کے مکان کا محاصرہ رات بھر رکھا اور پورے شہر کی ناکہ بندی کا کڑا انتظام بھی کیا مگر جب اچانک ان کو یہ معلوم ہوا کہ جس کی تلاش تھی وہ تو نکل گیا ہے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضورؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو پا کر بہت سٹپٹائے اور ان پر غصہ نکال کر چلے گئے۔ تلاش کے لئے چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک گروہ دوڑ دھوپ کرتے ہوئے عین غار ثور کے دروازے پر آپہنچا۔ ان کے قدم اندر دکھائی دینے لگے۔ کتنا نازک تاریخی لمحہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو تشویش ہوئی کہ اگر یہ لوگ غار میں داخل ہوگئے تو گویا پوری تحریک خطرے میں پڑ جائے گی۔ ایسے لمحات میں صحیح انسانی فطرت کے اندر جیسا احساس پیدا ہونا چاہئے۔ ٹھیک ایسا ہی احساس جناب صدیقؓ کا تھا مگر چونکہ حضورؐ کے ساتھ حق تعالیٰ کے کچھ

وعدے تھے اور اس کی طرف سے حفاظت ونصرت کی یقین
دہانی تھی اس لئے پردۂ غیب کے پیچھے تک دیکھنے والا دل
جانتا تھا کہ خدا ہمیں صحیح سلامت رکھے گا۔ پھر بھی ٹھیک اسی
طرح وحی سکینت نازل ہوئی جیسی موسیٰ علیہ السلام پر نازل
ہوئی تھی (لاتخف) ارشاد ہوا۔ لاتحزن ان اللہ معنا۔
فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ آنے والا گروہ غار
کے دہانے ہی سے واپس لوٹ گیا۔

تین روز غار میں رہنے کے بعد حضورؐ جناب صدیقؓ
کی معیت میں اپنے رہبر اور عامر بن فہیرہ کو لے کر نکلے۔
تعاقب سے بچنے کے لئے عام راستہ چھوڑ کر ساحل کا لمبا
راستہ اختیار کیا گیا۔ ادھر مکہ میں اعلان کیا گیا کہ دونوں
مہاجروں میں سے جس کسی کو بھی کوئی شخص قتل کر دے یا
گرفتار کرلائے اس کے لئے سو سو اونٹ کا انعام ہے۔ لوگ

برابر تلاش میں تھے۔ سراقہ بن جعشم کو خبر ملی کہ ایسے ایسے دو آدمی ساحل کے راستہ پر دیکھے گئے ہیں۔ اس نے نیزہ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ قریب آ کر سراقہ جب تیزی سے جھپٹا تو اس کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے دو تین بار کی ناکام کوشش کے بعد عفو خواہی، نیز درخواست کی کہ ایک تحریری امان لکھ دیجئے۔ گویا اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ان ہستیوں کے طفیل ایک نیا دور نمودار ہونے والا ہے۔ امان لکھ دی گئی اور فتح مکہ کے دن کام آئی۔ اسی موقع پر حضورؐ نے سراقہ کو ایک بشارت بھی دی کہ ''اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا''۔ (یہ پیش گوئی حضرت عمرؓ کے دور میں فتح ایران کے موقع پر پوری ہو گئی)۔

اسی سفر میں حضرت زبیر کاروان تجارت کے ساتھ

شام سے واپس آتے ہوئے ملاقی ہوئے۔ انہوں نے حضورؐ اور جناب صدیق دونوں کی خدمت میں سفید لباس ہدیہ کیا۔

اسی سفر میں بریدہ اسلمی بھی ستر ہمراہیوں کے ساتھ سامنے آئے۔ یہ بھی درحقیقت انعام کے لالچ میں نکلے تھے۔ جب سامنا ہوا تو بریدہ کے دل کی کایا پلٹ گئی۔ تعارفی گفتگو ہی میں جب حضورؐ نے ایک کلمۂ بشارت (خرج سہمک) تیرا حصہ نکل آیا) فرمایا تو بریدہ مع ستر ساتھیوں کے ایمان لے آیا۔ پھر بریدہ نے یہ خواہش کی حضورؐ مدینہ میں داخلہ کے وقت آپؐ کے آگے آگے ایک جھنڈا ہونا چاہئے۔ حضورؐ نے اپنا عمامہ نیزے پر باندھا کر بریدہ کو دیا اور اس جھنڈے کو لہراتے ہوئے یہ قافلہ دارالہجرت میں داخل ہوا۔

لازماً تمہاری جانچ کی جائے گی۔ جانوں اور مالوں کے

نقصان سے اور تم کو بہت سی بیہودہ باتیں سننی پڑیں گی ......

ان لوگوں سے بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، اور

ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کا مسلک اختیار کر رکھا

ہے اور اگر تم (ان آزمائشوں کے مقابلے میں) ثابت قدم

رہو اور (آلودگیوں سے) دامن بچا بچا کے چلو، تو ...... یقیناً

یہ ایک کارنامۂ ہمت ہے! (آل عمران۔۱۸۶)

○

''کسی نبی کے لئے اس کے قرابت مند جس درجہ برے

ہو سکتے ہیں، تم اپنے نبی کے حق میں ایسے ہی برے ثابت

ہوئے!

تم نے مجھے جھٹلایا،

اور دوسرے لوگوں نے میری صداقت کی گواہی دی،

تم نے مجھے وطن سے نکالا!

اور دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے پاس جگہ دی۔!

تم میرے خلاف لڑنے اٹھے،

اور دوسرے لوگوں نے مجھے اپنا تعاون پیش کیا!''

.....ارشاد سالتمآبؐ

میدان بدر میں

مشرکین کے لاشوں سے

خطاب کرتے ہوئے۔!